نضر الله امرءًا اسمع منا حديثًا فحفظه حتى يبلغه
بسم الله الرحمن الرحيم
اللہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ
ماهنامه
اشاعة
الحديث
حضرو
شمارہ نمبر
101
صفر ۱۴۳۴ھ
جنوری ۲۰۱۳ء
مدیر
حافظ زبیر علی زئی
کیا (لوگوں کے) اعمال اقرباء ورشتہ داروں پر پیش ہوتے ہیں؟
غامدی صاحب کے ایک سوال کا جواب
جمہور محدثین اور مسئلہ تدلیس
فیصل خان کی کذب بیانیاں اور فراڈ
موٹی جرابوں پر مسح جائز ہے
مکتبۃ الحدیث حضرو، اٹک: پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

101

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ

ماھنامہ
اشاعۃ الحدیث
حضرو

نضر اللہ امرءً اسمع منا حدیثًا فحفظہ حتی یبلغہ

جلد: 10 | صفر، ربیع الاول ۱۴۳۴ھ جنوری ۲۰۱۳ء | شمارہ: 1

مدیر: حافظ زبیر علی زئی

نائب مدیر: حافظ ندیم ظہیر

معاونین

ابو جابر عبداللہ دامانوی — ابو خالد شاکر

محمد سرور عاصم — محمد ارشد کمال

محمد زبیر صادق آبادی — محمد صدیق رضا

اس شمارے میں

فقہ الحدیث .... حافظ زبیر علی زئی 2

توضیح الاحکام .... حافظ زبیر علی زئی 9

غامدی صاحب کے ایک سوال کا جواب حافظ زبیر علی زئی 14

جمہور محدثین اور مسئلۂ تدلیس (۱) حافظ زبیر علی زئی 18

فیصل خان کی کذب بیانیاں اور فراڈ .. حافظ زبیر علی زئی 34

موٹی جرابوں پر مسح جائز ہے ..... حافظ زبیر علی زئی 39

صفر کا مہینہ .... محمد ارشد کمال 47

ربیع الاول کا مہینہ .... محمد ارشد کمال 48

ائمہ کرام سے اختلاف، دلائل کے ساتھ 49

قیمت

فی شمارہ : 25 روپے

سالانہ : 400 روپے

مع محصول ڈاک پاکستان

خط کتابت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر: حافظ شیر محمد

0300-5288783

مقامِ اشاعت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

برائے رابطہ

0302-5756937

محمد عظیم حاصلپوری

طہارت نصف ایمان ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (سورۃ البقرہ:۲۲۲)

سیدنا ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طہارت نصف ایمان ہے۔ (صحیح مسلم:۲۲۳، ترقیم دارالسلام:۵۳۴)

پاک صاف رہنا، عمدہ نفاست والا اور پاکیزہ لباس پہن کر رہنا علامتِ ایمان ہے اور اللہ کو ایسے لوگ بہت پسند ہیں۔

آدمی کے لئے ضروری ہے کہ اپنے بدن ولباس کو پاک صاف رکھے اور غسل وغیرہ کا کم از کم ایک بار ہر ہفتہ میں اہتمام کرے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر سات دنوں میں ایک دن غسل کرنا ہر مسلمان پر حق ہے، وہ اس غسل میں اپنے سر اور جسم کو دھوئے۔
(صحیح بخاری:۸۹۷، صحیح مسلم:۸۴۹، ترقیم دارالسلام:۱۹۶۳)

آدمی کے لئے ضروری ہے کہ اپنے لباس وغیرہ کو بھی پاکیزہ رکھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) اپنے کپڑوں کو پاکیزہ رکھئے۔ (سورۃ المدثر:۴)

ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: آدمی کو یہ پسند ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کے جوتے اچھے ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً اللہ جمیل ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ (صحیح مسلم:۹۱، ترقیم دارالسلام:۲۶۵)

تنبیہ: یہ مضمون مولانا محمد عظیم حاصل پوری حفظہ اللہ کی کتاب ''دروس المساجد'' خطباء اور مبلغین کے لئے ایک نادر تحفہ کے ص ۱۵۔۱۷، سے تقدیم وتاخیر اور بعض اصلاح وتصویب کے ساتھ لیا گیا ہے۔

الفصل الثانی

۳۴۳) عن أنس قال: كان النبي ﷺ إذا دخل الخلاء نزع خاتمه.

رواه أبو داود، والنسائي، والترمذي، وقال: هذا حديث حسن صحيح غريب.

و قال أبو داود: هذا حديث منكر. و في روايته: وضع بدل نزع.

انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے تھے۔ اسے ابوداود (۱۹) نسائی (۸/ ۱۷۸ ح ۵۲۱۶) اور ترمذی (۱۷۴۶) نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ ابوداود نے کہا: یہ حدیث منکر ہے۔ ایک روایت میں نزع (اتارنے) کی بجائے (وضع) رکھ دینے کا ذکر آیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اسے ابن ماجہ (۳۰۳) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس میں اصولِ حدیث کی رُو سے علتِ قادحہ (وجہِ ضعف) یہ ہے کہ اس کے راوی عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج المکی ثقہ مدلس تھے۔ (دیکھئے طبقات المدلسین ۳/۸۳)

اور یہ روایت عن سے ہے۔ صرف یہی ایک علتِ قادحہ اس روایت کے ضعیف و نا قابلِ حجت ہونے کے لئے کافی ہے، لہٰذا یہاں امام ترمذی کی تصحیح صحیح نہیں۔

۳۴۴) و عن جابر، قال: كان النبي ﷺ إذا أراد البراز انطلق حتى لا يراه أحد.

رواه أبو داود. **اور جابر (بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب قضائے حاجت کے لئے جاتے تو اتنا دور جاتے کہ کوئی بھی آپ کو نہیں دیکھتا تھا۔**

اسے ابوداود (۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اسے ابن ماجہ (۳۳۵) نے بھی روایت کیا ہے۔

وجہ ضعف یہ ہے کہ اس کا راوی اسماعیل بن عبدالملک جمہور کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔
حافظ ابن حجر نے فرمایا: "**صدوق کثیر الوھم**" وہ سچا (اور) بہت زیادہ غلطیوں والا ہے۔ (تقریب التہذیب: ۴۶۵)

وہ راوی جسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہو اور اسے بہت زیادہ غلطیاں بھی لگی ہوں، پکا ضعیف ہوتا ہے۔ اس روایت میں دوسری علت یہ ہے کہ ابو الزبیر محمد بن مسلم بن تدرس المکی مدلس تھے۔ (دیکھئے طبقات المدلسین ۳/۱۰۱)

امام نسائی نے فرمایا: "**و کان یدلس**" اور (ابو الزبیر) تدلیس کرتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للنسائی ۱/۶۴۰ ح ۲۱۰۱)

اس روایت کے بعض شواہد بھی ہیں مثلاً "قضائے حاجت کے لئے دور جانا" لیکن "**حتی لا یراہ أحد**" حتیٰ کہ آپ کو کوئی بھی نہ دیکھتا، کا میرے علم کے مطابق کوئی صحیح یا حسن شاہد موجود نہیں، لہٰذا درج بالا روایت ضعیف ہی ہے، نیز سنن ابی داود (۲۵۴۹) سنن نسائی (۱۶) اور مسند السراج (۱۷) کی احادیث اس روایت سے بے نیاز کر دیتی ہیں۔

۳۴۵) و عن أبي موسی قال : کنت مع النبي ﷺ ذات یوم فأراد أن یبول ، فأتی دمثًا في أصل جدارٍ، فبال . ثم قال : ((**إذا أراد أحدکم أن یبول فلیرتد لبوله .**)) رواہ أبو داود . اور ابو موسیٰ (عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے:
ایک دن میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا کہ آپ نے پیشاب کرنے کا ارادہ کیا تو آپ ایک دیوار کے پاس آئے جس کی بنیاد میں نرم مٹی تھی پھر آپ نے پیشاب کیا، پھر فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کا ارادہ کرے تو پیشاب کے لئے اس جیسی جگہ تلاش کرے۔

اسے ابوداود (۳) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت کی سند میں ابوالتیاح یزید بن حمید الضبعی رحمہ اللہ کے استاذ ''شیخ'' کا نام اور توثیق نامعلوم ہے، لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔ علامہ نووی نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے المجموع شرح المہذب (۸۳/۲)

فائدہ: یہ مسئلہ بالکل صحیح ہے کہ پیشاب کے لئے ایسی جگہ تلاش کرنی چاہئے جہاں پردے کا انتظام ہو اور پیشاب کی چھینٹوں سے پوری طرح بچا جا سکے، تاہم روایت مذکورہ صحیح نہیں۔ نیز دیکھئے ح ۳۳۸

۳۴۶) و عن أنس قال : كان النبي ﷺ إذا أراد الحاجة لم يرفع ثوبه حتى يدنو من الأرض . رواه الترمذي ، و أبو داود ، والدارمي .

اور انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب قضائے حاجت کا ارادہ کرتے تو زمین کے قریب ہونے سے پہلے (اپنے بدن سے) کپڑا نہ اُٹھاتے تھے۔

اسے ترمذی (۱۴) ابوداود (۱۴) اور دارمی (۱/۱۷۱ ح ۶۷۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: **اس کی سند ضعیف ہے۔**

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

۱: رجل (نامعلوم راوی) مجہول ہے۔

۲: سلیمان بن مہران الاعمش مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔

السنن الکبریٰ للبیہقی (۹۶/۱) وغیرہ میں اعمش عن القاسم بن محمد عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی یہ روایت مروی ہے اور یہ سند بھی اعمش کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔ بعض لوگوں نے اس ضعیف شاہد کو اسماعیلی کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے۔

۳۴۷) و عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ : ((**إنما أنا لكم مثل الوالد لولده ، أعلّمكم :إذا أتيتم الغائط، فلا تستقبلوا القبلة ، ولا تستدبروها .**))

و أمر بثلاثة أحجار. ونهى عن الروث والرمة. و نهى أن يستطيب الرجل بيمينه. رواه ابن ماجه ، والدارمي . **اور ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ**

ﷺ نے فرمایا: میں تو تمھارے لئے اسی طرح (مہربان) ہوں جس طرح والد اپنی اولاد کے ساتھ (مہربان) ہوتا ہے، میں تمھیں علم سکھاتا ہوں: جب تم قضائے حاجت کے لئے جاؤ تو نہ قبلے کی طرف رُخ کرو اور نہ پیٹھ کرو۔ اور آپ نے تین ڈھیلے استعمال کرنے کا حکم دیا، لید اور ہڈی سے منع کیا اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔

اسے ابن ماجہ (۳۱۳) اور دارمی (۱/۱۷۲ ح ۶۸۰) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن ہے۔

نیز اسے ابوداود (۸) اور نسائی (۱/ ۳۸ ح ۴۰) نے بھی روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: رسول اللہ ﷺ نے دین کی چھوٹی بڑی سب اہم باتیں اپنے صحابہ کو بتادی تھیں۔

۲: رسول اللہ ﷺ کو اپنا صرف بھائی سمجھنے کی بجائے نبی، رسول، امام اعظم، مقتدا، راہنما، محبوبِ اعظم اور روحانی باپ سمجھنا چاہئے اور اسی میں نجات ہے۔ ان شاء اللہ

۳: رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں اور آپ اپنے امتیوں پر بیحد مہربان تھے۔

۴: ایمان یہ ہے کہ آدمی رسول اللہ ﷺ کی محبت اور دفاع میں اپنی جان، مال اور اہل و عیال سب کچھ قربان کردے اور ذرہ بھی افسوس کا احساس نہ کرے۔

۳۴۸) وعن عائشة، قالت: كانت يد رسول الله ﷺ اليمنى لطهوره و طعامه، وكانت يده اليسرى لخلائه و ما كان من أذى. رواه أبو داود.

اور عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دایاں ہاتھ وضو اور کھانے (پینے) کے لئے تھا اور بایاں ہاتھ قضائے حاجت اور نجاست کی صفائی کے لئے تھا۔

اسے ابوداود (۳۳) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس کی ایک وجۂ ضعف یہ ہے کہ امام سعید بن ابی عروبہ رحمہ اللہ مدلس تھے۔

دیکھئے طبقات المدلسین (۲/۵۰)

اگرچہ حافظ ابن حجر نے انھیں اپنی طبقاتی تقسیم میں طبقۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں، بلکہ انھیں حافظ ابن حجر کی بنائی ہوئی طبقاتی تقسیم میں طبقۂ ثالثہ میں ہونا چاہئے تھا، کیونکہ ان کا مدلس ہونا ثابت ہے اور جب مدلس ہونا ثابت ہو جائے تو صحیحین، خاص دلیل اور معتبر متابعت وشواہد کے علاوہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر نے سعید بن ابی عروبہ کے بارے میں خود لکھا ہے: **"ثقة حافظ له تصانيف، كثير التدليس وكان من أثبت الناس في قتادة."** (تقریب التہذیب: ۲۳۶۵)

سنن ابی داود کی حدیث سابق (الاصل: ۳۴۰) میں ہے کہ نبی ﷺ کی زوجہ ام حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی ﷺ کھانے، پینے اور کپڑا پہننے میں اپنا دایاں ہاتھ استعمال کرتے تھے اور باقی چیزوں کے بارے میں اپنا بایاں ہاتھ استعمال کرتے تھے۔

اس روایت کی سند حسن ہے اور یہ ابن ابی عروبہ کی ضعیف روایت سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

۳۴۹) وعنها، قالت: قال رسول الله ﷺ: **((إذا ذهب أحدكم إلى الغائط فليذهب معه بثلاثة أحجار يستطيب بهن، فإنها تجزئ عنه.))**

رواه أحمد، وأبو داود، والنسائي، والدارمي.

اور انھی (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کے لئے جائے تو اپنے ساتھ تین ڈھیلے لے جائے، وہ ان کے ساتھ استنجا کرے کیونکہ یہ اس کے لئے کافی ہیں۔ اسے احمد (۶/ ۱۰۸ ح ۲۵۲۸۰) ابوداود (۴۰) نسائی (۱/ ۴۱-۴۲ ح ۴۴) اور دارمی (۱/ ۱۷۱-۱۷۲ ح ۶۷۶) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن ہے۔

نیز اسے امام دارقطنی (۱/ ۵۴-۵۵) نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: اگر قضائے حاجت کے بعد صرف تین ڈھیلوں کے ساتھ صحیح طریقے سے استنجا کر لیا جائے اور پانی استعمال نہ کیا جائے تو کافی ہے، ایسی حالت میں پانی استعمال کرنا ضروری

نہیں، لیکن اگر پانی استعمال کرے تو یہ بہتر اور افضل ہے۔

۲: نیز دیکھئے ح ۳۴۱۔۳۴۲ وغیرہما

۳۵۰) وعن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ : ((**لا تستنجوا بالروث ولا بالعظام فإنها زاد إخوانكم من الجن .**))

رواه الترمذی ، والنسائي ، إلا أنه لم يذكر : ((**زاد إخوانكم من الجن .**))

اور (عبداللہ) ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لید اور ہڈیوں سے استنجا نہ کرو کیونکہ یہ (ہڈیاں) تمھارے بھائیوں جنات کا کھانا ہے۔

اسے ترمذی (۱۸) اور نسائی (۱/ ۳۷۔ ۳۸ ح ۳۹) نے روایت کیا ہے، لیکن نسائی نے ''تمھارے بھائیوں جنات کا کھانا ہے۔'' کے الفاظ بیان نہیں کئے۔

تحقیق الحدیث: صحیح ہے۔

نیز اس حدیث کو امام مسلم (۴۵۰) نے بھی روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: عدمِ ذکر نفیِ ذکر کی دلیل نہیں ہوتا۔

۲: ثقہ کی زیادت مقبول ہے۔

۳: ہڈیاں مسافر جنات کا کھانا ہیں اور کہا جاتا ہے کہ لید گوبر اُن کے جانوروں کا کھانا ہے۔ واللہ اعلم

۴: ابوسعید الحسن بن احمد بن یزید الاصطخری رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۸ھ) کے پاس ایک آدمی آیا اور پوچھا: کیا ہڈی سے استنجا جائز ہے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں۔ اس نے پوچھا: کیوں؟ انھوں نے فرمایا: کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: یہ تمھارے بھائی جنوں کی خوراک ہے۔ اس نے پوچھا: انسان افضل ہیں یا جن؟ انھوں نے فرمایا: انسان۔

اس نے کہا: پانی کے ساتھ استنجا کیوں جائز ہے جبکہ وہ انسانوں کی خوراک ہے؟

راوی (ابوالحسین الطبسی) کہتے ہیں کہ ابوسعید الاصطخری نے حملہ کر کے اس آدمی کی

گردن دبوچ لی اور اس کا گلہ گھونٹتے ہوئے فرمانے لگے: ''زندیق (بے دین، گمراہ)! تُو رسول اللہ ﷺ کا رد کرتا ہے۔'' اگر میں اس آدمی کو نہ چھڑاتا تو وہ اسے قتل کر دیتے۔

(ذم الکلام واھلہ لابی اسماعیل الھروی: ۱۲۵۸ بتحقیق ابی جابر عبداللہ بن محمد بن عثمان الانصاری المدنی، وسندہ حسن)

۳۵۱) وعن رويفع بن ثابت قال قال لي رسول الله ﷺ: ((**يا رويفع! لعل الحياة ستطول بك بعدي، فأخبر الناس أن من عقد لحيته، أو تقلد وترًا، أو استنجى برجيع دابة، أو عظم، فإن محمدًا بريئ منه.**)) رواه أبو داود.

اور رُویفع بن ثابت (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: اے رُویفع! ہوسکتا ہے کہ میرے بعد تم لمبا عرصہ زندہ رہو، لہٰذا لوگوں کو بتا دینا کہ جس نے اپنی داڑھی کو گرہ لگائی یا (جانور کے) گلے میں (بیماری سے بچنے کے لئے) کمان کا دھاگا باندھا، یا کسی جانور کی ہڈی یا گوبر سے استنجا کیا تو بے شک محمد (ﷺ) اس سے بری ہیں۔

اسے ابوداود (۳۶) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: صحیح ہے۔

نیز اسے نسائی (۸/ ۱۳۵۔۱۳۶ ح ۵۰۷۰) نے بھی روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: جب داڑھی کو گرہ لگانا، باندھنا اور لپیٹ کر اوپر کر لینا بڑا جرم ہے تو غور کریں کہ داڑھی منڈوانا اور ایک مٹھی سے کم کاٹنا کٹوانا کتنا بڑا جرم ہے اور کیا ایسے آدمی سے رسول اللہ ﷺ بری نہیں ہوں گے؟! حافظ ابن القطان الفاسی نے لکھا ہے: ''**واتفقوا أن حلق اللحية مثلة لا تجوز**'' اور اس بات پر اتفاق (اجماع) ہے کہ داڑھی منڈانا مُثلہ (حرام) ہے، یہ جائز نہیں۔ (الاقناع فی مسائل الاجماع ۴/ ۲۰۲۰ فقرہ: ۳۹۲۲)

۲: بیماری کے علاج کے لئے دھاگے، منکے اور اس قسم کی غیر ثابت اشیاء لٹکانا حرام ہے۔

۳: ہر قسم کے تعویذات لٹکانے سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔ یاد رہے کہ قرآنی تعویذات اور احادیث و آثار سے ثابت شدہ تعویذات کو شرک یا بدعت قرار دینا بھی غلط ہے۔

کیا (لوگوں کے) اعمال اقرباء و رشتہ داروں پر پیش ہوتے ہیں؟

سوال ایک روایت کی تحقیق مطلوب ہے:

مولانا عبدالمنان راسخ حفظہ اللہ کی ایک کتاب منہاج الخطیب میں ایک روایت لکھی ہوئی ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب کوئی مومن فوت ہوتا ہے تو عالم برزخ میں اسکی نیک لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے اور عالم برزخ میں نیک لوگ فوت ہو کر آنے والے مومن سے طرح طرح کے اہم سوال کرتے ہیں اگرچہ اس کی کیفیت صرف اللہ ہی جانتے ہیں لیکن ہمارا قرآن و حدیث پر مکمل ایمان ہے اور اسی حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

''اِنَّ اَعۡمَالَکُمۡ تَرِدُ عَلٰی اَقَارِبِکُمۡ وَ عَشَائِرِکُمۡ.....''

بلا شبہ تمہارے اعمال تمہارے قریبی اور خاندان والوں پر پیش کئے جاتے ہیں اگر اعمال اچھے ہوں تو وہ راضی اور خوش ہوتے ہیں اور یہ دعا کرتے ہیں: اے اللہ! یہ تیرا فضل اور تیری رحمت ہے۔ ہمارے اس نیکی کرنے والے پیارے پر اپنی نعمت کو مکمل فرما اور اسی پر اس کو موت دے اور اسی طرح آخرت والوں پر بُرائی کرنے والے کا عمل بھی پیش کیا جاتا ہے۔ وہ دعا کرتے ہیں: اے اللہ! اس کو ایسے نیک عمل کی توفیق عطا فرما جو تیری خوشنودی اور قرب کا باعث ہو۔ (منہاج الخطیب ص ۴۳۴۔۴۳۵، دارالقدس خطبہ نمبر ۱۹ موضوع: فوت شدہ پیاروں کے حقوق، کتاب الزہد امام عبداللہ بن مبارک ۱۴۹/ ۴۴۳، المعجم الکبیر، امام طبرانی ۴/ ۱۵۴/ ۳۸۸۹، شرح الصدور امام سیوطی، سلسلہ احادیث صحیحہ: ۲۷۵۸، امام البانی)

اس روایت کے بارے میں وضاحت فرمائیں کہ یہ روایت سنداً کیسی ہے؟ جزاکم اللہ خیراً

اس روایت کی تحقیق کو ماہنامہ الحدیث میں شائع کیا جائے۔ والسلام

(ابوابراہیم خرم ارشاد محمدی۔ دولت نگر، گجرات)

الجواب آپ نے جس روایت کے الفاظ لکھے ہیں، اسے طبرانی (المعجم الکبیر ۴/ ۱۲۹ ح ۳۸۸۷، المعجم الاوسط ۱/ ۱۳۰۔ ۱۳۱ ح ۱۴۸، مسند الشامیین ۲/ ۳۸۳ ح ۱۵۴۴، ۴/ ۳۷۱ ح ۳۵۸۴) اور عبدالغنی المقدسی (السنن ۱۹۸/ ۱، من طریق الطبرانی، قالہ الالبانی فی الضعیفۃ ۲/ ۲۵۴ ح ۸۶۴) نے مسلمہ بن علی کی سند سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

حافظ ہیثمی نے فرمایا: اس میں مسلمہ بن علی ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ۲/ ۳۲۷)

شیخ البانی نے فرمایا: اور وہ (مسلمہ بن علی) متہم ہے۔ الخ (الضعیفہ ۲/ ۲۵۵)

اس سند کے دوسرے راوی عبدالرحمٰن بن سلامہ کے بارے میں البانی صاحب نے فرمایا: مجھے اس کے حالات نہیں ملے۔ (الصحیحہ ۶/ ۶۰۵ ح ۲۷۵۸)

اس روایت کے بارے میں شیخ البانی کا درج ذیل فیصلہ ہے:

"ضعیف جدًا" سخت ضعیف ہے۔ (الضعیفہ ۲/ ۲۵۴ ح ۸۶۴)

امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کی کتاب الزہد (ح ۴۴۳) وغیرہ میں اس مفہوم کی ایک موقوف روایت سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے درج ذیل سند کے ساتھ مروی ہے:

"ثور بن يزيد عن أبي رهم السمعي عن أبي أيوب"

اس موقوف (یعنی غیر مرفوع) روایت کے بارے میں البانی صاحب نے لکھا ہے:

"قلت :إسناد الموقوف صحيح." میں نے کہا: موقوف کی سند صحیح ہے۔

(سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ۶/ ۶۰۴ ح ۲۷۵۸)

حالانکہ اسی سند کے بارے میں اسی کتاب کی اسی جلد میں البانی صاحب نے خود لکھا ہے: "قلت :ورجاله ثقات لكنه منقطع بين ثور بن يزيد وأبي رهم ..."

میں نے کہا: اور اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن یہ ثور بن یزید اور ابورہم کے درمیان منقطع ہے۔

(الصحیحہ ۶/ ۲۶۴ ح ۲۶۲۸)

یعنی ثور بن یزید کی ابورہم رحمہ اللہ سے ملاقات نہیں، لہٰذا عرض ہے کہ منقطع سند کو کس طرح سند صحیح کہا جا سکتا ہے؟!

موقوف سند تو خود شیخ البانی رحمہ اللہ کے اپنے قلم سے منقطع یعنی ضعیف ثابت ہوئی اور اس کے تمام شواہد ضعیف ہیں۔ مثلاً:

۱: سلام الطّویل متروک کی روایت۔

۲: معاویہ بن یحییٰ ضعیف کی روایت۔

۳: حسن بصری کی طرف منسوب مرسل روایت۔ وغیر ذلک

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ آپ کی مسئولہ روایت ضعیف و مردود ہے اور عین ممکن ہے کہ محترم عبدالمنان راسخ حفظہ اللہ کو اس کی تحقیق کا موقع نہ مل سکا، لہٰذا انھوں نے شیخ البانی رحمہ اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی کتاب: منہاج الخطیب میں درج فرما دیا۔ واللہ اعلم

تنبیہ: اس باب میں مسند البزار (البحر الزخار ۱۷/۱۵۴۔۱۵۵ ح ۹۷۶۰، کشف الاستار ۱/۴۱۳۔۴۱۴ ح ۸۷۴) والی روایت حسن لذاتہ ہے اور شیخ البانی نے بھی اسے صحیحہ میں ذکر کیا ہے۔ (۶/۲۶۲۔۲۶۳ ح ۲۶۲۸)

اس حدیث کا ترجمہ ابومیمون محمد محفوظ اعوان صاحب کے قلم سے پیشِ خدمت ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مؤمن پر عالم نزع طاری ہوتا ہے تو وہ مختلف حقائق کا مشاہدہ کر کے یہ پسند کرتا ہے کہ اب اس کی روح نکل جائے (تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر سکے) اور اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتے ہیں۔ مؤمن کی روح آسمان کی طرف بلند ہوتی ہے اور (فوت شدگان) مؤمنوں کی ارواح کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ وہ اس سے اپنے جاننے پہچاننے والوں کے بارے میں دریافت کرتی ہیں۔ جب وہ روح جواب دیتی ہے کہ فلاں تو ابھی تک دنیا میں ہی تھا (یعنی ابھی تک فوت نہیں ہوا تھا) تو وہ خوش ہوتی ہے اور جب وہ جواب دیتی ہے کہ (جس آدمی کے بارے میں تم پوچھ رہی ہو) وہ تو مر چکا ہے، تو وہ کہتی ہیں:

اسے ہمارے پاس نہیں لایا گیا (اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے جہنم میں لے جایا گیا ہے)۔
مؤمن کو قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے اور اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے میرا ربّ اللہ ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ تیرا نبی کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: میرے نبی محمد (ﷺ) ہیں۔ پھر سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: میرا دین اسلام ہے۔
(ان سوالات و جوابات کے بعد) اس کی قبر میں ایک دروازہ کھولا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ اپنے ٹھکانے کی طرف دیکھو۔ وہ اپنی قبر کی طرف دیکھتا ہے، پھر گویا کہ نیند طاری ہو جاتی ہے۔
جب اللہ کے دشمن پر عالم نزع طاری ہوتا ہے اور مختلف حقائق کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ نہیں چاہتا کہ اس کی روح نکلے (تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے بچ جائے) اور اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ جب اسے قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے تو پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: میں نہیں جانتا۔ اسے کہا جاتا ہے: تو نے جانا ہی نہیں۔ پھر (اس کی قبر میں) جہنم سے دروازہ کھولا جاتا ہے اور اسے ایسی ضرب لگائی جاتی ہے کہ جن وانس کے علاوہ ہر چوپایہ اس کو سنتا ہے، پھر اسے کہا جاتا ہے کہ "منہوش" کی نیند سو جا۔
میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: منہوش سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے کہا: منہوش سے مراد وہ آدمی ہے جسے کیڑے مکوڑے اور سانپ ڈستے اور نوچتے رہتے ہیں۔ پھر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے۔" (اردو سلسلہ احادیث صحیحہ ۳/ ۲۱۶۔۲۱۷ ح ۱۷۱۳)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد (رشتہ دار یا قریبی) روحوں کی تازہ مرنے والے کی روح سے ملاقات ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے حالات معلوم کئے جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
((اَلْأَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ، فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ.))
روحیں لشکروں اور گروہوں کی حالت میں (اکٹھی) رہتی ہیں یا رہتی تھیں، پس جس کا ایک

دوسرے سے تعارف تھا تو اُن کی آپس میں محبت ہوتی ہے اور جو ایک دوسرے سے اجنبی تھیں تو وہ ایک دوسرے کے خلاف ہوتی ہیں۔ (صحیح بخاری: ۳۳۳۶، صحیح مسلم: ۲۶۳۸)

امام محمد بن المنکدر رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) سے روایت ہے کہ میں جابر بن عبداللہ (الانصاری رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا اور وہ وفات کے قریب تھے تو میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کو میری طرف سے سلام کہہ دیجئے گا۔ (مسند احمد ۳۹۱/۴ ح ۱۹۴۸۲، موسوعہ حدیثیہ ۲۲۸/۳۲ وسندہ صحیح)

سیدنا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ نبی ﷺ کی پیشانی پر سجدہ کر رہے ہیں تو نبی ﷺ کو بتایا، آپ نے فرمایا: ((إن الروح لیلقی الروح.))

روح کی روح سے ملاقات ہوتی ہے۔

(السنن الکبریٰ للنسائی ۳۸۴/۴ ح ۷۶۳۱، مسند احمد موسوعہ حدیثیہ ۱۸۸/۳۶، ۲۰۱)

مسند احمد (۵/ ۲۱۴، ۲۱۵) کی مشہور روایت اور طبقات ابن سعد (۳۸۱/۴) میں یہی روایت "لا تلقی الروح" یعنی روح کی روح سے ملاقات نہیں ہوتی، کے الفاظ سے ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۱۱/ ۷۸ ح ۳۰۵۰۶) میں "إن الروح لا یلقی الروح" یا "الروح یلقی الروح" کے الفاظ سے لکھی ہوئی ہے، لیکن مسند ابن ابی شیبہ (۱/ ۳۷ ح ۱۸) میں "لتلقی الروح" یا "تلقی الروح" یعنی اثبات کے ساتھ ہے اور عبد بن حمید نے اسی روایت کو ابن ابی شیبہ سے "لتلقی الروح" یعنی اثبات کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(دیکھئے المنتخب ۱/ ۲۱۹ ح ۲۱۶)

نفی اور اثبات کے اس ٹکراؤ کی وجہ سے یہ روایت مضطرب یعنی ضعیف ہے۔ احادیث صحیحہ غیر مضطربہ کی رُو سے یہی ثابت ہے کہ مرنے کے بعد روحوں کی ایک دوسرے سے ملاقات ہوتی ہے، لیکن یہ الفاظ: "إِنَّ أَعْمَالَکُمْ تَرِدُ عَلٰی أَقَارِبِکُمْ وَعَشَائِرِکُمْ..." یعنی بلاشبہ تمھارے اعمال تمھارے قریبی اور خاندان والوں پر پیش کئے جاتے ہیں... الخ ثابت نہیں بلکہ ضعیف و مردود ہیں۔

(۱۸/ شوال ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۶/ ستمبر ۲۰۱۲ء)

حافظ زبیر علی زئی

غامدی صاحب کے ایک سوال کا جواب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی تجویز کس نے پیش کی تھی، اس کے بارے میں جاوید احمد غامدی صاحب نے لکھا ہے:

''روایات بالکل واضح ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیدہ کے نکاح کی تجویز ایک صحابیہ حضرت خولہ بنت حکیم نے پیش کی۔ اُنھی نے آپ کو توجہ دلائی کہ سیدہ خدیجہ کی رفاقت سے محرومی کے بعد آپ کی ضرورت ہے کہ آپ شادی کرلیں، یا رسول الله، کانی اراك قد دخلتك خلة لفقد خديجة... افلا اخطب عليك؟، (الطبقات الکبریٰ، ابن سعد ۸/ ۵۷)

آپ کے پوچھنے پر اُنھی نے آپ کو بتایا کہ آپ چاہیں تو کنواری بھی ہے اور شوہر دیدہ بھی۔ آپ نے پوچھا کہ کنواری کون ہے، تو اُنھی نے وضاحت کی کہ کنواری سے اُن کی مراد عائشہ بنت ابی بکر ہیں۔ (احمد بن حنبل، رقم ۲۵۲۴۱)

بیوی کی ضرورت زن و شو کے تعلق کے لئے ہوسکتی ہے، دوستی اور رفاقت کے لیے ہو سکتی ہے، بچوں کی نگہداشت اور گھر بار کے معاملات کو دیکھنے کے لیے ہوسکتی ہے۔

یہ تجویز اگر بقائمی ہوش و حواس پیش کی گئی تھی تو سوال یہ ہے کہ چھ سال کی ایک بچی ان میں سے کون سی ضرورت پوری کرسکتی تھی، کیا گھر بار کے معاملات سنبھال سکتی تھی؟ سیدہ کی عمر کے متعلق روایتوں کے بارے میں فیصلے کے لیے یہ قرائن میں سے ایک قرینہ نہیں، بلکہ ایک بنیادی سوال ہے۔'' (ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ، جولائی ۲۰۱۲ء ص ۲۶)

عرض ہے کہ سب سے پہلے یہ واضح ہونا چاہئے کہ یہ ''روایات'' نہیں بلکہ صرف ایک حسن غریب روایت ہے جسے ابن سعد اور امام احمد بن حنبل (ج ۶ ص ۲۱۰۔ ۲۱۱، موسوعہ حدیثیہ ج ۴۲ ص ۵۰۱۔ ۵۰۴ ح ۲۵۷۶۹) وغیرہما نے محمد بن عمرو (بن علقمہ اللیثی) عن ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف و یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب کی سند سے بیان کیا ہے۔

محمد بن عمرو بن علقمہ اللیثی رحمہ اللہ مختلف فیہ راوی، لیکن جمہور کی توثیق کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث ہیں۔

روایت کے متصل یا مرسل ہونے کے بارے میں بھی اختلاف ہے، حافظ ہیثمی نے اس روایت کے اکثر حصے کو مرسل قرار دیا ہے، جبکہ حافظ ابن حجر العسقلانی کے نزدیک اس کی سند حسن (یعنی متصل) ہے۔

(دیکھئے مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۵۔ ۲۲۶، فتح الباری ج ۷ ص ۲۲۵ تحت ح ۳۸۹۶)

ہمارے نزدیک حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہاں تحقیق راجح ہے اور یہ سند ''حسن لذاتہ غریب'' ہے۔

طبقات ابن سعد اور مسند احمد دونوں کتابوں میں اسی روایت کے متن میں صاف صاف لکھا ہوا ہے کہ ''وعائشہ یومئذ بنت ست سنین''

اور اس دن عائشہ (رضی اللہ عنہا) چھ سال کی بچی تھیں۔

اس صریح عبارت کو چھپا کر غامدی صاحب نے خیانت کی ہے، لہٰذا ان پر یہ فرض ہے کہ وہ اس خیانت سے توبہ کا اعلان کریں اور ان کا اشارتاً یہ لکھ دینا کافی نہیں کہ ''روایت کا یہ داخلی تضاد کس طرح دور کیا جائے گا؟''!

اگر یہ روایت متضاد ہے تو ضعیف کی ایک قسم ہوئی اور اس سے استدلال حجت نہ رہا، لہٰذا صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما کی حدیث کے مقابلے میں اسے پیش کرنا فضول ہے اور اگر یہ روایت حسن ہے تو صریح عبارت کے مقابلے میں غامدی صاحب کے خود تراشیدہ مفہوم کی کیا حیثیت ہے؟!

اصل بات یہ ہے کہ جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیحد پریشان رہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے تحت سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو دو شادیاں کرنے کا مشورہ دیا، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا۔

۱: سودہ رضی اللہ عنہا ۲: عائشہ رضی اللہ عنہا

بچیوں کی دیکھ بھال، رفاقت اور دوسرے اُمور کے لئے نبی کریم ﷺ نے ہجرت مدینہ سے تین سال یا کچھ زیادہ عرصہ پہلے ہی شادی کر لی اور اس کے کچھ عرصہ بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نسبت طے پا گئی، یا نکاح ہو گیا اور ۲ ہجری میں رخصتی ہوئی۔

(نیز دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۲/ ۲۶۵، ۱۳۵)

یہاں ایسی کسی بات کا نام ونشان تک نہیں کہ سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ سودہ یا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (یعنی دو میں سے کسی ایک) سے نکاح کا مشورہ دیا تھا، بلکہ انھوں نے دونوں سے شادی کا مشورہ دیا تھا۔

۱: ایک (سودہ رضی اللہ عنہا) سے فوراً تا کہ آپ ﷺ کو رفاقت حاصل ہو جائے۔

۲: دوسری (عائشہ رضی اللہ عنہا) سے بعد میں تا کہ وہ آپ ﷺ کی گھریلو زندگی اور علم کا بہت بڑا ذخیرہ یاد کر لیں اور دو ہزار سے زیادہ حدیثوں کا گلدستہ اُمت کے سامنے پیش کر دیں۔

یاد رہے کہ روایت میں ''إن شئت بكرًا و إن شئت ثيبًا'' کے الفاظ ہیں، یعنی اگر آپ چاہیں تو ایک بکر (لڑکی) اور اگر آپ چاہیں تو ایک ثیب (شوہر دیدہ) اور یہ الفاظ ہرگز نہیں کہ ''إن شئت بكرًا، أو إن شئت ثيبًا'' یعنی اگر آپ چاہیں تو ایک لڑکی، یا اگر آپ چاہیں تو ایک شوہر دیدہ عورت ہے۔

یہاں او (یا) اختیاری نہیں بلکہ واؤ ہے، نیز اس روایت میں دونوں سے فوراً (اسی وقت) نکاح کی صراحت بھی ہرگز موجود نہیں۔

عربی میں بکر (الجاریۃ) اس لڑکی کو کہا جاتا ہے، جس سے جماع نہ کیا گیا ہو۔

(دیکھئے لسان العرب ج ۴ ص ۸۷ ب مادہ: بکر)

آخر میں عرض ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خود بتایا ہے کہ ان کا نکاح چھ یا سات سال کی عمر میں اور رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ یہ گواہی درج ذیل شاگردوں نے ان سے نقل فرمائی ہے:

۱: عروۃ بن الزبیر رحمہ اللہ، جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے۔

(صحیح بخاری:۳۸۹۶،صحیح مسلم:۱۴۲۲)

۲: اسود بن یزید رحمہ اللہ (صحیح مسلم:۱۴۲۲)

۳: عبداللہ بن صفوان رحمہ اللہ (المستدرک للحاکم ۴/۱۰ح ۶۷۳۰ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

۴: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ (سنن النسائی ۶/ ۱۳۱ح ۳۳۸۱ وسندہ حسن)

۵: یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب رحمہ اللہ (مسند ابی یعلیٰ: ۴۶۷۳ وسندہ حسن)

درج ذیل تابعین کرام سے بھی اس مفہوم کے صریح اقوال ثابت ہیں:

۱: عروۃ بن الزبیر رحمہ اللہ (صحیح بخاری:۳۸۹۶،طبقات ابن سعد ۸/۶۰ وسندہ صحیح)

۲: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ (مسند احمد ۶/ ۲۱۱ح ۲۵۷۶۹ وسندہ حسن)

۳: یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب رحمہ اللہ (ایضاً وسندہ حسن)

۴: ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۳/ ۲۶ح ۶۲ وسندہ حسن)

۵: زہری رحمہ اللہ (طبقات ابن سعد ۸/۶۰ وھو حسن)

بلکہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس بارے میں لکھا ہے:

”ما لا خلاف فیه بین الناس“اور لوگوں میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں۔

(البدایہ والنہایہ ۳/ ۱۲۹،دوسرا نسخہ:۳/ ۳۷۵)

کیا غامدی صاحب اور ان کے تمام حواری کسی صحیح یا حسن لذاتہ حدیث، صحیح و ثابت قولِ صحابی، صحیح و ثابت قولِ تابعی یا خیر القرون کے کسی ثقہ امام سے صراحتاً یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت اُن کی عمر چھ سال یا سات سال نہیں تھی اور ان کی رخصتی کے وقت نو سال عمر نہیں تھی؟

صرف ایک صحیح و صریح حوالہ پیش کریں اور اگر نہ کر سکیں تو توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

قارئین کرام کی خدمت میں بطورِ فائدہ عرض ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی ایک حدیث (خ ۳۸۹۵ م ۲۴۳۸) سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ اس نکاح کو اللہ کی طرف سے سمجھتے تھے۔ (۲۹/ رمضان ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۸/ اگست ۲۰۱۲ء)

حافظ زبیر علی زئی

جمہور محدثین اور مسئلۂ تدلیس [قسط نمبر ۱]

ثقہ وصدوق راویانِ حدیث کی دو قسمیں ہیں:

۱: جن سے تدلیس الاسناد کرنا ثابت نہیں مثلاً سالم بن عبداللہ بن عمر، سعید بن المسیب اور ابو قلابہ عبداللہ بن زید الجرمی وغیرہم۔

ایسے راوی کی اُس کے استاذ سے روایت صحیح ہوتی ہے، اِلا یہ کہ کوئی خاص دلیل کسی خاص روایت کا استثناء کر دے۔

۲: جن سے تدلیس الاسناد کرنا ثابت ہو۔ مثلاً سفیان ثوری، سلیمان بن مہران الاعمش، قتادہ، ابو اسحاق السبیعی، ابن جریج اور ہشیم بن بشیر وغیرہم۔

ایسے راویوں کے بارے میں دس (۱۰) مسالک ہیں:

۱: (چونکہ مدلس کذاب ہوتا ہے لہٰذا) ہر مدلس کی ہر روایت مردود ہے۔

یہ مسلک بذاتِ خود باطل ومردود ہے۔

۲: ایک ہی راوی جب مرضی کی روایت میں ہو تو اس کا عنعنہ بھی صحیح اور اگر مرضی کے خلاف ہو تو اس کا عنعنہ حجت نہیں۔

یہ مسلک بھی مردود ہے۔

۳: خیر القرون کے مدلسین کی معنعن روایات بھی صحیح ہیں اور قرون ثلاثہ میں تدلیس و ارسال مضر نہیں۔

یہ بعض حنفیہ کا مسلک ہے اور مردود ہے۔

۴: طبقات المدلسین پر اعتماد۔

یہ مسلک بھی غلط ہے اور جمہور محدثین کے خلاف ہے۔

اس پر تفصیلی بحث ان شاء اللہ آگے آ رہی ہے۔ (مثلاً دیکھئے عنوان: ۲۰، ۲۸)

۵: کثیر التدلیس کی معنعن روایت ضعیف ہے۔
۶: قلیل التدلیس کی معنعن روایت صحیح ہے۔
یہ بعض جدید علماء اور منہج المتقدمین والوں کا مسلک ہے اور غلط ہے۔
۷: جو ضعیف راویوں سے تدلیس کرے، اس کی معنعن روایت ضعیف ہے۔
۸: جو ثقہ راویوں سے تدلیس کرے اُس کی معنعن روایت صحیح ہے۔
پوری دنیا میں صرف اس کی ایک مثال ہے: امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ
اور یہ مسلک بھی مرجوح وغلط ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ
۹: الزامی جواب۔
یہ صرف اس حالت میں جائز ہے جب حقیقی جواب موجود ہو اور بہتر یہ ہے کہ الزامی کی صراحت کر دی جائے۔
۱۰: مدلس کا عنعنہ ضعیف ومردود ہے۔
یہی مسلک راجح اور صحیح ہے، جیسا کہ ناصر الحدیث وفقیہ الملۃ، زین الفقہاء وتاج العلماء امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۴ھ) نے فرمایا: جس کے بارے میں ہمیں معلوم ہو گیا کہ اُس نے ایک دفعہ تدلیس کی ہے تو اُس نے اپنی پوشیدہ بات ہمارے سامنے ظاہر کر دی۔ (الرسالہ: ۱۰۳۳)
اور فرمایا: ہم کسی مدلس سے کوئی حدیث قبول نہیں کرتے حتیٰ کہ وہ حدثنی یا سمعت کہے۔
(الرسالہ: ۱۰۳۵)
امام شافعی کے بیان کردہ اس اصول کو حافظ ابن حبان، خطیب بغدادی اور ابن الصلاح وغیرہم نے اختیار کیا، بلکہ اصولِ حدیث وغیرہ میں اسے تلقی بالقبول حاصل ہے۔
(دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات ۴/ ۱۵۱۔۱۹۸)
اس تمہید کے بعد بعض الناس کے بعض شبہات، مغالطات وتدلیسات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

۱: صاحبِ تحفۃ الاحوذی: مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے طبقۂ ثانیہ کے درج ذیل مدلسین کی معنعن روایات پر جرح کی:

۱: سلیمان الاعمش (ابکار المنن ص ۱۹۱۔۱۹۲)

۲: سفیان ثوری (ایضاً ص ۴۳۳)

۳: حماد بن ابی سلیمان (ص ۳۶۸)

۴: اسماعیل بن ابی خالد (ص ۳۶۷)

۵: ابراہیم نخعی (ص ۳۶۷، ۴۳۶)

۶: حسن بصری (ص ۳۹۶۔۳۹۷)

بعض نے ''ممکن ہے محدث مبارکپوری رحمہ اللہ کے پیشِ نظر النکت ہو یا ان کی تحقیق میں وہ کثیر التدلیس ہوں۔ واللہ اعلم ...'' وغیرہ الفاظ سے یعنی چونکہ چنانچہ والی جتنی تاویلات وتوجیہات بیان کی ہیں، اُن کا نتیجہ صرف یہی ہے کہ مبارکپوری صاحب رحمہ اللہ طبقات المدلسین لابن حجر سے کلیتاً متفق نہیں تھے، لہٰذا ان تاویلات وتوجیہات کا یہاں پیش کرنا بے فائدہ ہے۔

بعض نے لکھا ہے:

''دلائل کی بنا پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے اختلاف کی گنجایش ہے۔'' (مقالات اثریہ ص ۲۵۱)

لہٰذا طبقات المدلسین قطعی نہ رہی اور جن لوگوں نے حافظ صاحب سے اختلاف کیا ہے، اگر ان کی بات مدلل ہے تو غصہ ''فرمانے'' کی کیا ضرورت ہے؟!

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بریٔ من التدلیس امام مکحول کو طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔

(دیکھئے الفتح المبین ص ۶۴۔۶۵)

جبکہ مولانا مبارکپوری نے اُن کی سیدنا محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ معنعن

روایت کے بارے میں لکھا ہے: ''اور عبادہ کی یہ حدیث صحیح ہے۔'' (تحقیق الکلام ج ۱ ص ۶۰)

حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''مکحول اصطلاحی معنی میں مدلس نہیں''

(خیر الکلام ص ۲۲۲، دوسرا نسخہ ص ۱۶۷)

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے لکھا ہے:

''امام مکحولؒ اصطلاحی مدلس نہیں'' (توضیح الکلام جدید ص ۳۱۰)

ثابت ہوا کہ تینوں: مبارکپوری، گوندلوی اور اثری صاحبان طبقات المدلسین لابن حجر سے کلیتاً متفق نہیں بلکہ امام مکحول کے مسئلے میں مختلف و مخالف ہیں۔

۲: سید محب اللہ شاہ الراشدی رحمہ اللہ

استاذ محترم مولانا سید محبّ اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ اگرچہ طبقات المدلسین پر اعتماد کرتے تھے، لیکن انھوں نے حافظ صاحب کے نزدیک طبقۂ ثانیہ کے مدلس اعمش کے بارے میں لکھا ہے: ''میں اعمش کو تیسرے مرتبہ کا مدلس سمجھتا ہوں...''

(مقالاتِ راشدیہ ۱/۳۰۶)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ استاذ محترم بھی طبقاتی تقسیم سے کلیتاً اور سو فیصد متفق نہیں تھے۔

۳: ارشاد الحق اثری صاحب

شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے طبقۂ ثالثہ کے کئی مدلسین کی معنعن روایات کو ضعیف وغیر صحیح قرار دیا، یا ان پر جرح کی۔ مثلاً:

۱: ابو الزبیر المکی

۲: قتادہ

۳: محمد بن عجلان (دیکھئے تحقیقی مقالات ۴/۱۶۸)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ منہج المتقدمین والے جدید محققین مثلاً ناصر بن حمد الفہد کے

سراسر خلاف ہیں۔ ناصر بن حمد صاحب نے متہم بالتدلیس راویوں کی دو قسمیں بنائی ہیں:

۱: جو سخت کثیر التدلیس ہیں مثلاً بقیہ بن الولید، حجاج بن ارطاۃ اور ابو جناب الکلبی وغیرہم۔

۲: جو تھوڑی یا کثیر تدلیس کرتے تھے مگر ان کی بیان کردہ حدیثوں پر سابق قسم کی طرح تدلیس غالب نہیں تھی مثلاً قتادہ، اعمش، ہشیم، ثوری، ابن جریج اور ولید بن مسلم وغیرہم۔

ان کی روایات میں اصل اتصال ہے۔ (دیکھئے منہج المتقدمین فی التدلیس ص ۱۵۵۔۱۵۶)

عرض ہے کہ منہج المتقدمین والوں نے طبقۂ ثالثہ کے مدلسین مثلاً قتادہ وغیرہ بلکہ بعض شدید التدلیس راویوں مثلاً ہشیم اور ابن جریج وغیرہما کی روایات کو بھی اصلاً متصل یعنی صحیح قرار دیا ہے اور اثری صاحب اس منہج کے سراسر مخالف ہیں، جبکہ بعض ناصر بن حمد کو دکتور کا لقب دے کر اپنے نمبر بڑھانے کی فکر میں ہیں۔ (دیکھئے مقالات اثریہ ص ۲۳۲)

اثری صاحب نے طبقۂ ثانیہ کے مدلسین کی معنعن روایات پر بھی کلام کیا ہے۔

۱: ابراہیم النخعی

۲: محمد بن عجلان

۳: سلیمان الاعمش

اس کی جو بھی تاویل وتشریح بیان کی جائے اور چونکہ چنانچہ کا بے دریغ استعمال کیا جائے مگر یہ بات ظاہر وباہر ہے کہ اثری صاحب نے طبقاتی تقسیم سے اختلاف کیا ہے۔

۴: غلط ترجمانی کے الزام کا جواب

ایک ضعیف ومردود روایت میں آیا ہے کہ اسود بن یزید رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) نے فرمایا: میرے نزدیک قراءت خلف الامام کی بجائے انگارا چبانا بہتر ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۶ ح ۳۷۸۵، ۳۷۹۰)

اس روایت کی دونوں سندوں میں ابراہیم نخعی کے سماع کی تصریح موجود نہیں۔

دوسری روایت میں وبرہ (بن عبدالرحمٰن المسلی) نے ابراہیم نخعی کی معنوی متابعت کی ہے لیکن وبرہ کے شاگرد اسماعیل بن ابی خالد مدلس ہیں اور روایت معنعن ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۷۷ ح ۳۷۸۹)

پہلی سند پر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے اعتراض کیا تو سرفراز خان صفدر دیوبندی کڑمنگی نے اسے بے سود بہانہ قرار دیا، جس کا اثری صاحب نے درج ذیل الفاظ میں جواب دیا:

''لیکن یہ بہانہ نہیں بلکہ نیموی صاحب کے پسند کا جواب ہے۔ اور یہ بات بھی عجیب ہے کہ اس کی مرسل روایات حجت ہیں۔ حالانکہ اعتراض اس کی تدلیس پر ہے۔ کیا مولانا صفدر صاحب کے ہاں تدلیس اور ارسال کی تعریف میں کوئی فرق نہیں؟ شاید مولانا صاحب کے نزدیک جس کا ارسال حجت ہو اس کی تدلیس مضر نہ ہو مگر محدثین کے نزدیک نہ مرسل حجت ہے اور نہ مدلس کی معنعن روایت قابل استدلال۔'' (توضیح الکلام جدید ص ۱۰۲۶)

اثری صاحب نے مزید لکھا ہے:

''حضرت اسودؒ... سے ایک اور اثر مصنف ابن ابی شیبہؒ (ص ۳۷۶ ج ۱) میں موجود ہے جس میں خلف الامام پڑھنے والوں کے منہ میں مٹی ڈالنے کا حکم ہے۔ لیکن اس میں بھی اسماعیلؒ بن ابی خالد جو طبقہ ثانیہ کا مدلس ہے۔ جیسا کہ ابراہیم نخعی اور سفیان ثوریؒ ہیں اور ایک اثر مصنف عبدالرزاق (ص ۱۳۸ ج ۲) اور ابن ابی شیبہ (ص ۳۷۷ ج ۱) میں اسی مفہوم کا منقول ہے مگر سند میں الاعمش مدلس ہے اور ابراہیمؒ بھی اسے معنعن روایت کرتے ہیں۔

ان دونوں طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ اسودؒ کا یہ اثر صحیح یا حسن ہے مگر....''

(توضیح الکلام جدید ص ۱۰۲۶۔۱۰۲۷)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ اثری صاحب نے ابراہیم نخعی اور اسماعیل بن ابی خالد کی تدلیس کا اعتراض کیا ہے اور محدثین کا اصول بھی پیش کر دیا ہے۔

رہا ان کا یہ کہنا کہ ''ان دونوں طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ اسودؒ کا یہ اثر صحیح یا حسن

ہے''اس بات کی واضح دلیل نہیں کہ وہ یہاں ابراہیم اور اسماعیل کی معنعن روایتوں کو بذاتِ خود صحیح سمجھتے ہیں اور اگر وہ ایسا سمجھتے تو انھیں چاہیے تھا کہ دونوں روایتوں کو علیحدہ علیحدہ ''سندہ صحیح'' قرار دیتے۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی پہلی مذکور سند ابراہیم نخعی تک صحیح ہے اور دوسری سند اسماعیل بن ابی خالد تک صحیح ہے، لہٰذا ان دونوں روایتوں کو ملا کر ''صحیح یا حسن'' قرار دینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ مذکورہ راویوں کی معنعن روایات کو صحیح السند نہیں سمجھتے (واللہ اعلم)

بلکہ ضعیف + ضعیف والے نام نہاد اصول: حسن لغیرہ کے قائلین میں سے ہیں۔ واللہ اعلم

ہمارے نزدیک تو اسود بن یزید کی طرف منسوب یہ تینوں روایتیں ضعیف و مردود ہیں اور مولانا اثری صاحب کے عمل سے دو باتیں صاف طور پر ثابت ہیں:

۱: منہج المتقدمین والوں کا منہج غلط ہے۔

۲: حافظ صاحب کی طبقاتی تقسیم نہ قطعی ہے اور نہ کوئی قاعدہ کلیہ ہے، بلکہ دلائل کے ساتھ اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔

اثری صاحب نے حافظ ابن حجر کے نزدیک طبقۂ ثالثہ کے مدلس امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں حافظ صاحب کی تقسیم سے درج ذیل الفاظ میں اختلاف کیا ہے:

''لیکن اس تقسیم میں جس طرح بعض دوسرے راویوں کے متعلق ہمیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے دلایل کی روشنی میں اختلاف ہے...'' (توضیح الکلام بحوالہ مقالات اثریہ ص ۲۵۵)

بعض.... نے بھی اعمش کے سلسلے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے اختلاف کیا ہے۔

(دیکھئے مقالات اثریہ ص ۵۴۱۔۵۴۳)

جب بعض الناس کو ''دلیل'' کی بنیاد پر حافظ ابن حجر وغیرہ سے اختلاف کا حق حاصل ہے تو دوسرے کسی کو کیوں نہیں؟

کیا امام شافعی کے تلقی بالقبول والے اصول اور دیگر محدثین کی گواہیاں ''دلیل'' کے میدان سے خارج ہیں؟

۵: قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ

ہمارے علم کے مطابق متقدمین میں سے کسی ایک سے بھی (۳۰۰ھ تک) صراحت کے ساتھ امام قتادہ کا کثیر التدلیس ہونا ثابت نہیں۔

بعض نے قتادہ کے کثیر التدلیس ہونے کی پانچ ''دلیلیں'' پیش کی ہیں:

۱: وہ مدلس معروف ہیں۔

۲: وہ امام فی التدلیس ہیں

۳: ابن مغلس (؟) نے کہا: **هو كثير التدليس.**

۴: ابن الترکمانی نے کہا: **مشهور بالتدليس.**

۵: متاخرین یعنی حافظ علائی اور حافظ ابن حجر نے انھیں تیسرے طبقے میں ذکر کیا ہے۔

کیا معروف بالتدلیس اور مشہور بالتدلیس کا مطلب کثیر التدلیس ہوتا ہے؟

اگر جواب ہاں میں ہے تو درج ذیل حوالے پڑھ لیں:

۱: سفیان ثوری کے بارے میں حافظ ابوزرعہ ابن العراقی نے فرمایا:

''**مشهور بالتدليس**'' (کتاب المدلسین:۲۱)

ابن العجمی نے کہا: ''**مشهور به**'' (التبیین لاسماء المدلسین:۲۵)

علائی نے انھیں **مشهور بالتدليس** قرار دیا ہے۔ (جامع التحصیل ص۱۰۶)

۲: سفیان بن عیینہ کے بارے میں نووی نے کہا: ''**وسفيان معروف بالتدليس**''

(شرح صحیح مسلم ۴/ ۱۹۷ تحت ح ۴۷۹)

علائی نے انھیں **مشهور بالتدليس** کہا ہے۔ (جامع التحصیل ص۱۰۶)

۳: سلیمان التیمی کے بارے میں ابوزرعہ ابن العراقی نے کہا: ''**مشهور بالتدليس**''

(کتاب المدلسین:۲۴)

اور علائی نے بھی انھیں مشہور بالتدلیس کہا۔ (جامع التحصیل ص۱۰۶)

۴: ابن شہاب الزہری کے بارے میں سیوطی صاحب نے لکھا ہے:

"مشہور بالتدلیس" (اسماء المدلسین: ۴۶)

انھیں حافظ علائی وغیرہ نے بھی تدلیس کے ساتھ مشہور قرار دیا ہے لیکن یہ صراحت بھی کی ہے کہ اماموں نے اُن کی معنعن روایت کو قبول کیا ہے۔

یاد رہے کہ اس مسئلے میں ابوزرعہ ابن العراقی نے اختلاف ذکر کیا ہے۔ (کتاب المدلسین: ۶۰)

ابن مغلس یا ابن المغلس الظاہری (!) کا اصل حوالہ ان کی اصل کتاب سے مع عبارت پیش کرنا چاہئے اور یہ تعارف بھی کرانا چاہئے کہ یہ کس صدی کے بزرگ تھے؟

قتادہ کے بارے میں حاکم نیشاپوری نے جو عبارت لکھی ہے اس سے یہی ظاہر ہے کہ وہ حاکم کے نزدیک ثقہ راویوں سے تدلیس کرتے تھے اور ان کی روایات مقبول ہیں۔

(دیکھئے معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۰۳، دوسرا نسخہ ص ۳۳۹۔۳۴۰)

تنبیہ: ہمارے نزدیک چونکہ امام قتادہ کا مدلس ہونا ثابت ہے، لہٰذا ان کی معنعن روایت (اپنی تخصیصات کے بعد) ضعیف ہے۔

۶: سلیمان الاعمش

سلیمان بن مہران الاعمش کا کثیر التدلیس ہونا متقدمین میں سے کسی سے بھی صراحتاً ثابت نہیں، انھیں حافظ علائی اور ابن حجر نے طبقۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے یعنی وہ ان دونوں کے نزدیک ایک قلیل التدلیس راوی ہیں۔!

دوسری طرف ابن حجر نے النکت میں انھیں طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے اور علائی نے فرمایا: "مشہور بالتدلیس ، مکثر منه " (جامع التحصیل ص ۱۱۳، ۱۸۸)

یہ دونوں متعارض اقوال باہم متناقض ہو کر ساقط ہیں۔

یہاں پر بطورِ لطیفہ عرض ہے کہ حافظ علائی نے ابن جریج، ہشیم بن بشیر اور حمید الطّویل کو بھی طبقۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔!

بعض ....کو چاہئے تھا کہ وہ خیر القرون کے کسی بڑے امام سے سلیمان بن مہران الاعمش کا کثیر التدلیس ہونا صراحتاً ثابت کرتے، ورنہ پھر اسے منہج المتقدمین کے بجائے منہج المتاخرین کا نام دیتے۔

اگر حافظ علائی اور عسقلانی وغیرہما متاخرین کی عبارات سے کسی راوی کا کثیر التدلیس ہونا ثابت کیا جا سکتا ہے تو ابن شہاب الزہری کا کثیر التدلیس ہونا اور اعمش وغیرہ کا قلیل التدلیس ہونا کیوں ثابت نہیں کیا جا سکتا؟!

۷: ابوالزبیر المکی

امام ابوالزبیر المکی رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) کا کثیر التدلیس ہونا متقدمین میں سے صراحتاً کسی سے بھی قطعاً ثابت نہیں اور نہ بعض الناس ایسا کوئی صریح حوالہ پیش کر سکے ہیں۔

حاکم نیشاپوری اور ابن القیم نے جب ابوالزبیر کی معنعن روایات کا دفاع کیا تو اثری صاحب نے ان دونوں کا رد فرمایا۔ (دیکھئے توضیح الکلام ص ۸۹۱۔۸۹۳)

یاد رہے کہ ابوالزبیر کی معنعن روایات کی وجہ سے شیخ البانی نے صحیح مسلم کی صحیح روایات پر حملہ کیا، جبکہ دوسری طرف ہمارے ایک دوست محترم ابو جابر عبداللہ بن محمد بن عثمان الانصاری المدنی حفظہ اللہ ایک کتاب لکھ رہے ہیں، جس میں وہ ابوالزبیر رحمہ اللہ کو تدلیس سے بری ثابت کرنا چاہتے ہیں۔!

اگر مشہور بالتدلیس کے الفاظ کے ساتھ کسی راوی کا کثیر التدلیس ہونا ثابت ہو جاتا ہے تو درج ذیل راویانِ حدیث مشہور بالتدلیس ہیں:

۱: سفیان ثوری

۲: سفیان بن عیینہ

۳: سلیمان التیمی

۴: ابن شہاب الزہری (دیکھئے عنوان نمبر ۵: قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ)

۸: محمد بن عجلان رحمہ اللہ

محمد بن عجلان کا کثیر التدلیس ہونا ہمارے علم کے مطابق متقدمین میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں اور ان کی متعدد معنعن روایات کو صحیح یا حسن بھی کہا گیا ہے، بلکہ بعض متاخر علماء نے ان کی روایت: "یا ساریة الجبل" کو جید حسن یا صحیح قرار دیا ہے۔
(دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ: ۱۱۱۰)

۹: طبقاتی تقسیم

بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیخ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ بھی حافظ ابن حجر کی طبقاتی تقسیم کے قائل تھے۔ عرض ہے کہ انھوں نے ابراہیم نخعی اور اسماعیل بن ابی خالد کی بیان کردہ دو معنعن سندوں کے بارے میں فرمایا:

"ھن قول جون بئي سندون صحيح نه آھن ..."

اس قول کی دونوں سندیں صحیح نہیں۔ (تمییز الطیّب من الخبیث ص ۱۳۹)

بعد میں انھوں نے نیموی کے قول کو بھی بطورِ الزام پیش کیا اور ان دونوں سندوں کو اپنے نزدیک صحیح قرار نہیں دیا۔

بعض نے "متخصصین کی آرا" کے تحت چودہ (۱۴) نام لکھے ہیں، جن میں سے حافظ علائی، حلبی، اور ابن حجر متاخرین میں سے تھے اور باقی سارے معاصرین میں سے ہیں۔

سبحان اللہ!

بعض نے لکھا ہے:

"بنا بریں ان لوگوں کی بات مقدم ہوگی، جنھوں نے اس فن کا سیر حاصل دراستہ کیا۔ پھر اس بابت کتب تصنیف کیں، نہ کہ ان لوگوں کی جو مصطلح کی ابجد سے بھی شاید ناواقف ہوں۔ ہمیں دورِ رواں میں بھی کوئی مستند عالم دین ایسا نہیں ملتا جو امام شافعی رحمہ اللہ کے موقف کا

ہمنوا ہو، بلکہ اکثر اس کے مرجوح ہونے کے قائل ہیں۔'' (مقالات اثر یہ ص ۲۶۳)

اس عبارت کے سلسلے میں تین باتیں عرض ہیں:

۱: کیا حافظ ابن حبان، خطیب بغدادی، ابن الصلاح اور نووی وغیرہم اصولِ حدیث کی ابجد سے بھی ناواقف تھے؟

انھوں نے امام شافعی کے موقف کی کیوں تائید کی؟

اور کیا امام شافعی بھی مصطلح کی ابجد سے ناواقف تھے؟

۲: کیا بعض الناس بذاتِ خود مصطلح کی ابجد سے واقف ہیں؟ انھوں نے اصولِ حدیث کی کون سی کتابیں پڑھائی ہیں یا ان کے تراجم و تشریحات شائع کی ہیں؟

۳: کیا درج ذیل علماء میں سے کوئی بھی مستند عالمِ دین نہیں جو مدلس کی عن والی روایت کو غیر صحیحین میں (بعض تخصیصات کے علاوہ) ضعیف و نا قابلِ حجت سمجھتے ہیں:

مولانا ابوصہیب محمد داود ارشد، ابوالاسجد محمد صدیق رضا، حافظ عمر صدیق اور مبشر احمد ربانی وغیرہم۔ حفظہم اللہ

کیا درج ذیل علماء جو سفیان ثوری کی معنعن روایات کو نا قابلِ حجت سمجھتے تھے، مستند علمائے دین میں سے نہیں تھے؟

امام یحییٰ بن سعید القطان، ابن حبان، نووی شافعی، عینی حنفی، کرمانی حنفی، ابن الترکمانی حنفی، قسطلانی شافعی، ابن الصلاح الشافعی اور علی بن المدینی وغیرہم۔

(حوالوں کے لئے دیکھئے تحقیقی مقالات ۳/ ۳۰۶۔۳۲۷)

بعض الناس کا اپنا مبلغ علم کیا ہے؟ فی الحال اس کی دو مثالیں درج ذیل ہیں:

۱: امام وکیع بن الجراح نے فرمایا: ''**ما کتبت عن شریك بعد ماولي القضاء ،فهو عندي علی حدة** '' (الجعدیات: ۲۴۲۹، دوسرا نسخہ: ۲۵۲۱)

اس کا ترجمہ بعض نے اپنے مقالات میں درج ذیل الفاظ میں لکھا ہے:

''میں نے شریک کے قاضی بننے کے بعد ان سے کچھ نہیں لکھا، لہٰذا وہ (احادیث)

میرے نزدیک درست ہیں۔'' (ص ۱۹۲)

حالانکہ اس عبارت کا درست ترجمہ درج ذیل ہے:

میں نے شریک کے قاضی بننے کے بعد جو لکھا ہے وہ میرے پاس علیحدہ ہے۔

۲: بعض نے قاسم بن محمد کی طرف منسوب ایک روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح ابن خزیمہ کی روایت کے بارے میں فرمایا: ''لیس فی السماع '' (اتحاف المھرۃ ج ۸ ص ۲۱۳)''

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور جلد ۶۲ شمارہ ۳۲ ص ۱۴۔۱۵، اگست ۲۰۱۰ء)

حالانکہ لیس فی السماع سے یہاں مراد انقطاع نہیں، بلکہ اس سے صرف یہ مراد ہے کہ صحیح ابن خزیمہ کی یہ حدیث حافظ ابن حجر نے اپنے استادوں سے نہیں سنی تھی۔

(مثلاً دیکھئے اتحاف المھرۃ ج ۱ ص ۱۶۱)

تنبیہ: بعض نے مذکورہ عبارت کو اپنے مطبوعہ مقالات سے نکال دیا ہے اور اس کا باعث غالباً راقم الحروف کی طرف سے انھیں تنبیہ واطلاع ہے۔ واللہ اعلم

ان کے علاوہ اور بھی حوالے ہیں مثلاً امام نعیم بن حماد رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۹ھ) کا پانچ چھ سال کے بچے دولابی (مولود ۲۲۴ھ) کو کذاب کہنا۔!! (دیکھئے مقالاتِ اثریہ ص ۲۰۹، ۶۴۶)

۱۰: الحکم للأکثر

بعض نے ''الحکم للأکثر'' کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ کیا یہ جملہ آیت ہے؟ حدیث ہے؟ اجماع ہے؟ یا سلف صالحین میں سے کسی بڑے امام کا ثابت شدہ وغیر اختلافی قول ہے؟ اگر ایسا ثابت ہو جائے تو دو باتیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: جمہور محدثین وعلماء نے اصولِ حدیث کی کتابوں میں مدلس کی عن والی روایت کو ضعیف وناقابلِ حجت قرار دیا ہے۔

۲: اسماء الرجال میں اختلاف کی صورت میں ہمیشہ اکثر یعنی جمہور کو ترجیح دینی چاہئے۔

۱۱: بعض ائمہ حدیث کے اقوال اور کثیر التدلیس؟

بعض نے بعض ائمہ کے اقوال پیش کئے ہیں:

۱: امام علی بن المدینی رحمہ اللہ: ''جب تدلیس اس پر غالب ہو تب وہ حجت نہیں، یہاں تک وہ اپنے سماع کی تصریح کرے۔''

۲: امام مسلم رحمہ اللہ: ''جو تدلیس کی وجہ سے شہرت یافتہ ہیں...'' (ملخصاً)

۳: امام احمد رحمہ اللہ: ''ابن اسحاق بہ کثرت تدلیس کرتے ہیں...''

۴: امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ: ''مبارک بن فضالہ صدوق اور مشہور مدلس ہیں..''

۵: امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ: مبارک بن فضالہ ''انتہائی زیادہ تدلیس کرتا ہے...''

۶: امام ابوداود رحمہ اللہ: ''مبارک بن فضالہ شدید التدلیس ہے۔'' الخ

(بحوالہ سوالات الآجری)

یاد رہے کہ آجری کا ثقہ یا صدوق ہونا محدثین کرام سے صراحتاً ثابت نہیں۔

۷: امام ابن سعد رحمہ اللہ: ''ھشیم بن بشیر... بہ کثرت تدلیس کرتے ہیں۔'' الخ

۸: امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ: ''مبارک بن فضالہ تدلیس کرتے ہیں۔'' الخ

یہ سارے حوالے آپ نے پڑھ لئے۔ اردو تراجم سے قطع نظر ان میں سے کسی ایک حوالے میں بھی یہ صراحت نہیں کہ صرف کثیر التدلیس کی معنعن ہی ضعیف ہے، قلیل التدلیس کی معنعن صحیح ہے یا امام شافعی کا اصول غلط ہے، لہٰذا بعض نے صفحات سیاہ کر کے تدلیس سے ہی کام لیا ہے اور ان کے اس عمل کو تدلیس فی المتن قرار دینا ہی صحیح ہے۔

۱۲: امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ

حافظ ابن حبان نے لکھا ہے:

اس کی مثال دنیا میں صرف اکیلے سفیان بن عیینہ ہی ہیں، کیونکہ آپ تدلیس کرتے تھے مگر

ثقہ متقن کے علاوہ کسی دوسرے سے تدلیس نہیں کرتے تھے۔ (الاحسان ۱/۹۰)

اس سے معلوم ہوا کہ سفیان بن عیینہ کے علاوہ دوسرا کوئی بھی راوی مثلاً سفیان ثوری ایسا نہیں جو صرف ثقہ سے ہی تدلیس کرتا ہو، لہٰذا استثناء صرف ابن عیینہ کو ہی حاصل ہے۔

سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے ایک حدیث بیان کی، جسے انھوں نے **علي بن المديني عن الضحاك بن مخلد عن ابن جريج عن عمرو** کی سند سے سنا تھا، لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ ثقہ مدلس راویوں مثلاً ابن جریج سے تدلیس کرتے تھے۔

ابن جریج بذاتِ خود ثقہ مدلس تھے اور ان کی روایت عن سے ہے، لہٰذا عین ممکن ہے کہ روایت معنعنہ میں سفیان بن عیینہ کے استاد نے تدلیس کر رکھی ہو۔

اس وجہ سے سفیان بن عیینہ کی معنعن روایت بھی مشکوک کے حکم میں ہے۔

امام ابو حاتم الرازی نے سفیان بن عیینہ کی سعید بن ابی عروبہ سے عن والی ایک روایت کے بارے میں فرمایا:

اگر یہ (روایت) صحیح ہوتی تو ابن ابی عروبہ کی کتابوں میں ہوتی اور ابن عیینہ نے اس حدیث میں سماع کی تصریح نہیں کی اور یہ بات اسے ضعیف قرار دے رہی ہے۔

(علل الحدیث ۱/۳۲ ح ۶۰، الفتح المبین ص ۴۱)

ابن الترکمانی حنفی نے ایک روایت کے بارے میں کہا: ”**ثم إن ابن عيينة مدلس و قد عنعن فی السند**“ پھر (اس میں) ابن عیینہ مدلس ہیں اور انھوں نے عن سے سند بیان کی ہے۔ (الجوہر النقی ۲/ ۱۳۸)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمیں ایک دن سفیان بن عیینہ نے **عن زيد بن أسلم عن علي بن حسين** کی سند سے ایک روایت بیان کی (تو) ہم نے کہا: اسے زید بن اسلم سے کس نے بیان کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: معمر (بن راشد) نے۔ ہم نے کہا: معمر سے نیچے کون (راوی) ہے؟ انھوں نے فرمایا: وہ صنعانی عبدالرزاق۔ (التمہید ۱/ ۳۱ وسندہ صحیح)

امام سفیان بن عیینہ نے ثقہ راوی فراس بن یحییٰ سے ایک روایت (غالباً مرسلاً

ارسال خفی) بیان کی، جسے انھوں نے حسن بن عمارہ وغیرہ سے بیان کیا تھا۔

(دیکھئے العلل للدارقطنی ۳/ ۱۴۴، تاریخ دمشق لابن عساکر ۳۰/ ۱۶۹)

سفیان بن عیینہ نے ''عن ابن جریج عن أبی الزبیر عن ...'' کی سند سے ایک روایت (عالم المدینہ) بیان کی تو ابن القطان الفاسی نے لکھا:

''و ابن عیینة و ابن جریج و أبو الزبیر کلھم مدلس.''

(بیان الوہم والایہام ۴/ ۳۰۵ ح ۱۸۶۵)

سفیان بن عیینہ نے زہری عن عبیداللہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے ایک حدیث بیان کی تو امام احمد نے فرمایا: ابن عیینہ نے اس روایت میں ہمارے سامنے سماع کی تصریح بیان نہیں کی، پھر مجھے پتا چلا کہ انھوں نے اسے عمر بن حبیب سے سنا تھا۔

(المستدرک للحاکم ۲/ ۵۳۹ ح ۳۹۸۵)

بعض نے اپنے نمبر بڑھانے کے لئے لکھا ہے: ''شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن السعد نے اس کتاب کا دیباچہ لکھا جو کم وبیش چالیس صفحات کو محیط ہے۔'' (مقالات اثریہ ص ۲۶۲)

عرض ہے کہ شیخ عبد اللہ حفظہ اللہ میرے دوست ہیں اور مسجد علی بن المدینی (الریاض) کے قریب ان کے گھر میں اُن سے میری ملاقاتیں ہوئیں، انھوں نے میری دو کتابوں پر تقدیم بھی لکھی ہے۔

شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن السعد حفظہ اللہ نے مذکور کتاب کے دیباچے میں یہ بھی لکھا ہے:

''وھذا یفید أن ابن عیینة أحیاناً یدلّس عن الضعفاء وإن کان الغالب علیه لا یدلّس إلا عن الثقات'' اور یہ بات یہ فائدہ دیتی ہے کہ ابن عیینہ بعض اوقات ضعیف راویوں سے بھی تدلیس کرتے تھے اور اگرچہ غالب طور پر وہ صرف ثقات سے ہی تدلیس کرتے تھے۔ (مقدمۃ منہج المتقدمین فی التدلیس ص ۳۶)

نیز دیکھئے توضیح الاحکام (۲/ ۱۹۴)

[باقی آئندہ شمارے میں۔ ان شاء اللہ]

حافظ زبیر علی زئی

فیصل خان کی کذب بیانیاں اور فراڈ

فیصل خان بریلوی رضا خانی نے لکھا ہے: ''مزید یہ کہ امام احمد بن حنبلؒ نے امام محمد بن الحسن سے دقیق مسائل بھی لکھے ہیں۔ امام صیمریؒ اپنی سند سے لکھتے ہیں۔ ''اخبرنا احمد بن محمد الصیرفی قال ثنا علی بن عمرو الحریری...''

ترجمہ:- امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ آپ باریک اور مشکل مسائل کہاں سے لیتے ہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ میں نے یہ مشکل اور دقیق مسائل امام محمد بن الحسنؒ کی کتابوں سے لیے ہیں۔

سند کی تحقیق

اس سند کے راویوں کی مختصر توثیق ملاحظہ کریں۔

۱: احمد بن محمد الصیرفی ثقہ سوالات حمزہ السہمی رقم: ۱۲۵''

(توثیق صاحبین ص ۱۱۶۔۱۱۷، واللفظ لہ، ص ۱۵۹۔۱۶۰)

فیصل خان نے دو جگہ پر یہ روایت بطورِ حجت و استدلال پیش کی ہے اور جس ابو بکر احمد بن محمد بن ابراہیم الصیرفی کی توثیق سوالات حمزہ السہمی سے نقل کی ہے، اُن کے بارے میں سوالات کے اسی صفحے پر حاشیے میں بحوالہ تاریخ بغداد (۳۸۴/۴) لکھا ہوا ہے کہ وہ ۳۰۵ھ میں فوت ہوئے تھے۔ (سوالات السہمی ص ۱۴۰)

جس حسین بن علی بن محمد بن جعفر الصیمری کی کتاب: اخبار ابی حنیفہ واصحابہ (نسختنا ص ۱۲۵) سے ''اخبرنا احمد بن محمد الصیمری'' کے ساتھ مستدل روایت نقل کی گئی ہے وہ ۳۵۱ھ میں پیدا اور ۴۳۶ھ میں فوت ہوئے تھے، جیسا کہ ان کے شاگرد امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ (دیکھئے تاریخ بغداد ۷۸/۹ ت ۴۱۶۳)

جو ثقہ محدث ۳۰۵ھ میں فوت ہو چکے تھے، ان کے پاس ۴۶ سال بعد پیدا ہونے والے

قاضی صیمری کس طرح حدیث پڑھنے پہنچ گئے تھے؟ کیا عالمِ ارواح میں ملاقات ہوئی تھی؟!

ثابت یہ ہوا کہ فیصل خان نے صیمری کے استادوں میں ابوبکر احمد بن محمد بن ابراہیم الصیرفی یعنی ابن الخنازیری (م ۳۰۵ھ) کا ذکر اور توثیق نقل کر کے بہت بڑا افراڈ کیا ہے اور سادہ لوح عوام کو دھوکا دینے کی مذموم حرکت کی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ احمد بن محمد الصیرفی سے پھر یہاں کون مراد ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے ابوعبداللہ احمد بن محمد بن علی الصیرفی یعنی ابن الابنوسی مراد ہے، جس کی دو دلیلیں درج ذیل ہیں:

۱: خطیب بغدادی نے ابن الابنوسی یعنی احمد بن محمد الصیرفی کے شاگردوں میں قاضی ابو عبداللہ الصیمری کا نام لکھا ہے۔ (دیکھئے تاریخ بغداد ۶۹/۵ ت ۲۴۴۷)

۲: اخبار ابی حنیفہ للصیمری میں دو جگہ احمد بن محمد الصیرفی کی کنیت ابوعبداللہ لکھی ہوئی ہے۔ (دیکھئے ص ۱، ۲۷)

ابن الابنوسی کی کنیت ابوعبداللہ ہے، جبکہ ابن الخنازیری کی کنیت ابوبکر ہے۔

ابن الخنازیری بے شک ثقہ تھے لیکن ابن الابنوسی کیسا آدمی تھا، اس کا تذکرہ درج ذیل ہے:

ثقہ امام ''الامام العلامۃ الفقیہ الحافظ الثبت، شیخ الفقہاء والمحدثین'' اور صاحبُ التصانیف ابوبکر احمد بن محمد بن احمد بن غالب البرقانی الخوارزمی رحمہ اللہ (م ۴۲۵ھ) نے ابن الابنوسی کو اچھا نہیں سمجھا اور فرمایا:

اس نے مجھ سے سنن ترمذی کے بارے میں پوچھا تھا تو میں نے بتایا کہ یہ میں نے (استاد سے) سنی ہے لیکن میرے پاس اس کا کوئی اصل نسخہ موجود نہیں، پھر میں نے ابن الابنوسی کے مرنے کے بعد اس کی کتابوں میں سنن ترمذی کا ایک نسخہ دیکھا، اس نے اس پر میرا اور اپنا نام لکھ رکھا تھا اور اس نے یہ دعویٰ لکھ رکھا تھا کہ اس نے یہ نسخہ مجھ سے سُنا ہے۔ (تاریخ بغداد ۶۹/۵ ت ۲۴۴۷)

یہ ہے جرح مفسر اور اس کے مقابلے میں (ہمارے علم کے مطابق) کسی امام سے ابن الابنوسی الصیرفی کی توثیق ثابت نہیں۔

حمزہ بن محمد بن طاہر الدقاق نے کہا: ابن الابنوسی جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا تھا، لیکن اسے کتابیں جمع کرنے سے محبت تھی پھر جب اس کے پاس کوئی کتاب آتی تو اس کا عنوان لکھتا، یہ کتاب سننے سے پہلے ہی اس کے راوی کا نام اور اپنا نام لکھ دیتا تھا پھر بعد میں وہ یہ کتاب (استاد سے) سنتا تھا۔ (تاریخ بغداد ۶۹/۵۔۷۰)

یہ بیان بعینہ امام برقانی کی تائید ہے، کیونکہ کتاب سننے سے پہلے یہ لکھ دینا کہ میں نے یہ کتاب فلاں استاد سے سنی ہے، صریح جھوٹ ہے لہٰذا حمزہ بن محمد بن طاہر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا تھا، غلط ہے۔

اسے کس نے یہ حق دیا تھا کہ کتاب سننے کے بغیر ہی پہلے سے اس پر یہ لکھ دے کہ میں نے یہ کتاب (فلاں استاذ سے) سُنی ہے؟ جب امام برقانی نے بتایا تھا کہ سنن ترمذی کا اصل نسخہ ان کے پاس موجود ہی نہیں تو اس کے باوجود ابن الابنوسی نے یہ کیوں لکھ دیا کہ میں نے برقانی سے یہ کتاب سنی ہے؟ یہ تو بہت بڑا جھوٹ ہے۔

فیصل خان اور آلِ بریلی کو چاہیے کہ ایسے جھوٹے شخص کی توثیق پر ایک کتاب: ''توثیقِ ابن الابنوسی'' یا ''توثیقِ احمد بن محمد بن علی الصیرفی'' لکھ دیں، جیسا کہ فیصل خان نے ''توثیقِ صاحبین'' کے نام سے ایک کتاب لکھ دی ہے۔

کمپیوٹر اور مکتبہ شاملہ کا آخر فائدہ ہی کیا ہے؟ اگر وہ یہ کام نہ کرسکیں؟!

فیصل خان نے ابوبکر القراطیسی کے بارے میں لکھا ہے:

''اس سند میں ابوبکر القراطیسی عمر بن سعد بن عبدالرحمٰن ہے جس کو خطیب البغدادی نے تاریخ البغداد ۸۶/۱۳ پر ثقہ کہا ہے۔'' (توثیقِ صاحبین ص ۱۱۷، ۱۶۱)

عرض ہے کہ ابوبکر القراطیسی کی کنیت ولقب کے تین (یا دو) آدمی ہیں:

۱: محمد بن بشر بن موسیٰ بن مروان، اصلہ من انطاکیہ (تاریخ بغداد ۹۱/۲ ت ۴۸۳)

ان کے دو استاد ہیں: حسن بن عرفہ (م ۲۵۷ھ) اور محمد بن شعبہ بن جوان (م ۲۵۸ھ)
اور دو شاگرد ہیں: ابو الحسن علی بن الحسن بن بن علی بن مطرف الجراحی (م ۳۷۶ھ) اور
یوسف بن عمر القواس (۳۸۵ھ)

۲: محمد بن بشر بن مروان من اھل دمشق (تاریخ بغداد ۲/ ۹۱ ت ۴۸۴)

ان کے اساتذہ بحر بن نصر المصری (م ۲۶۷ھ) اور ربیع بن سلیمان المصری (م ۲۷۰ھ یا
۲۵۶ھ) ہیں۔

ان کے شاگرد امام دارقطنی (م ۳۸۵ھ) اور محمد بن جعفر بن عباس النجار (م ۳۷۹ھ) ہیں۔

تنبیہ: تاریخ دمشق لابن عساکر (۵۵/ ۱۱۰۔۱۱۱، طبع قدیم) سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں
ایک ہی ہیں۔ واللہ اعلم

۳: عمر بن سعد بن عبدالرحمٰن (تاریخ بغداد ۱۱/ ۲۳۳ ت ۵۹۷۱)

ان کے استادوں میں صرف ابو بکر بن ابی الدنیا (م ۲۸۱ھ) کا نام مذکور ہے اور
شاگردوں میں ابو بکر محمد بن الحسین الآجری (م ۳۶۰ھ) ابو الفتح محمد بن الحسین الازدی
(م ۳۷۴ھ) ابو عمر ابن حیویہ (م ۳۸۲ھ) اور ابو عبید اللہ المرزبانی (م ۳۸۴ھ) کے نام مذکور
ہیں۔

علی بن محمد بن کاس النخعی ۳۲۴ھ کو فوت ہوئے۔

اب سوال یہ ہے کہ فیصل خان صاحب نے کس دلیل کے ساتھ ان تین (یا دو)
قراطیسیوں میں سے عمر بن سعد کو متعین کر لیا ہے؟ اگر انھوں نے کوئی خواب دیکھا ہے تو
وضاحت کریں، ورنہ ان تین (یا دو) راویوں میں سے ابو بکر القراطیسی کون ہے؟ اُس کی
واضح دلیل پیش کریں!

فیصل خان نے مزید لکھا ہے: ''غیر مقلد معلّمی لکھتے ہیں۔ ''ابراہیم غیر موثوق'' التنکیل ۱/ ۱۶۶
یعنی ابراہیم کی توثیق ثابت نہیں ہے۔

جواب: عرض یہ ہے کہ ابراہیم الحربی کی توثیق قاضی ابو یعلی نے طبقات الحنابلہ ۱/ ۲۳۲

میں، امام ذہبیؒ نے تذکرہ الحفاظ: ۵۸۴ میں، خطیب بغدادی نے تاریخ البغداد ۲۸/۶ پر کی ہے۔ لہٰذا ابراہیم بن اسحاق الحربی مجہول نہیں بلکہ ثقہ راوی ہے۔''

(توثیقِ صاحبین ص ۱۱۷۔ ۱۱۸، ۱۶۱)

جواب الجواب: مولانا عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمنی المکی رحمہ اللہ نے ابراہیم بن اسحاق الحربی کے بارے میں ہرگز نہیں فرمایا کہ ''ابراہیم کی توثیق ثابت نہیں ہے۔'' بلکہ انھوں نے صرف یہ لکھا ہے: ''**أقول الراوي عن إبراهیم غیر موثق**'' میں کہتا ہوں کہ ابراہیم سے روایت بیان کرنے والا (ابوبکر القراطیسی) غیر موثق ہے۔

(التنکیل ج۱ ص ۱۶۶، طبع حدیث اکادمی فیصل آباد)

ثابت ہوا کہ فیصل خان نے عربی زبان سے جہالت کی وجہ سے مولانا معلّمی رحمہ اللہ پر بہتان باندھا ہے۔ فیصل خان کو چاہئے کہ وہ محدث معلّمی کو اپنے آپ پر قیاس نہ کریں اور اپنی اصلاح کی فکر کریں۔

آخر میں بطورِ تنبیہ واصلاح عرض ہے کہ فیصل خان بریلوی نے لکھا ہے:

''عرض ہے کہ امام احمد کے اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ ابتداء میں جہمی کے طرف مائل تھے اور اس قول سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام محمد بن الحسن جہمی ہوں۔''

(توثیق صاحبین ص ۱۱۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل کسی دور میں بھی جہمی مذہب کی طرف مائل نہیں تھے، لہٰذا فیصل خان نے ان کے خلاف یہ بہت بڑا جھوٹ اور بہتان گھڑا ہے جس کا جواب اللہ تعالیٰ کی عدالت میں دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے قول سے تو یہی ثابت ہے کہ محمد بن الحسن (الشیبانی یعنی ابن فرقد) ابتداء میں جہمی مذہب پر تھا۔ (دیکھئے تاریخ بغداد ۱۷۷/۲ ت ۵۹۳ وسندہ حسن)

ابن فرقد پر جہمیت کی جرح کو خود امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر اُلٹ دینا فیصل خان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ (۱۸/ نومبر ۲۰۱۲ء بمطابق ۳/ محرم ۱۴۳۴ھ)

حافظ زبیر علی زئی

موٹی جرابوں پر مسح جائز ہے

الحمد لله ربّ العالمین والصلوٰة والسّلام علیٰ رسوله الأمین ،أما بعد:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلے تو وہ جدھر پھرتا ہے ہم اُسے اُسی طرف پھیر دیتے ہیں اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ (جہنم) بُرا ٹھکانہ ہے۔

(سورۃ النساء: ۱۱۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ میری اُمت کو گمراہی پر کبھی جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت (اجماع) پر ہے۔

(المستدرک للحاکم ۱/۱۱۶ ح ۳۹۹ وسندہ صحیح، ولہ شاہد حسن لذاتہ عند الطبرانی فی الکبیر ۱۲/۴۴۷ ح ۱۳۶۲۳)

اس آیت کریمہ اور حدیث صحیح سے ثابت ہوا کہ اجماعِ اُمت حجت ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات ج ۵ ص ۷۴-۱۱۰)

اُمت مسلمہ کا سب سے بہترین حصہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) صحیح العقیدہ تابعین عظام اور تبع تابعین کی جماعت ہے اور صحابہ و تابعین کا اس بات پر اجماع ہے کہ موٹی جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ اس اجماع کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱) سیدنا عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''**رأیت علیًّا بال ثم توضأ ومسح علی الجوربین**'' میں نے علی (بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) کو دیکھا، انھوں نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔ (الاوسط لابن المنذر ۱/۴۶۲ ح ۴۷۷ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۱/۴۶۲ ث ۴۷۹)

عینی حنفی نے لکھا ہے: ''**الجورب هو الذي یلبسه أهل البلاد الشامیة الشدیدة البرد وهو یتخذ من غزل الصوف المفتول ، یلبس فی القدم إلیٰ مافوق الکعب.**'' جراب وہ ہے جسے ملک شام کے لوگ شدید سردی میں پہنتے ہیں، یہ بٹی ہوئی

اُون سے بنائی جاتی ہے، ٹخنوں تک پاؤں میں پہنی جاتی ہے۔ (البنایہ فی شرح الہدایہ ۱/ ۵۹۷)

محمد تقی عثمانی نے کہا ہے:

''جَوْرَب سوت یا اون کے موزوں کو کہتے ہیں، اگر ایسے موزوں پر دونوں طرف چمڑا بھی چڑھا ہوا ہو تو اس کو مجلّد کہتے ہیں، اور اگر صرف نچلے حصّہ میں چمڑا چڑھا ہوا ہو تو اسے منعّل کہتے ہیں، اور اگر موزے پورے کے پورے چمڑے کے ہوں، یعنی سُوت وغیرہ کا اُن میں بالکل دخل نہ ہو تو ایسے موزوں کو خفین کہتے ہیں، خفین، جوربین مجلّدین اور جوربین منعّلین پر باتفاق مسح جائز ہے...'' (درس ترمذی ج ۱ ص ۳۳۴۔۳۳۵)

۲) رجاء بن ربیعہ الزبیدی الکوفی (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ ''**رأیت البراء توضأ فمسح علی الجوربین**'' میں نے براء (بن عازب رضی اللہ عنہ) کو دیکھا، انھوں نے وضو کیا تو جرابوں پر مسح کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۸۹ ح ۱۹۸۴، وسندہ صحیح)

اس روایت کی سند میں سلیمان بن مہران الاعمش رحمہ اللہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔

۳) ابووائل شقیق بن سلمہ الاسدی الکوفی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (ابومسعود) عقبہ بن عمرو (الانصاری رضی اللہ عنہ) نے وضو کیا ''**ومسح علی الجوربین**'' اور جرابوں پر مسح کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۸۹ ح ۱۹۸۷، وسندہ صحیح)

حنفیہ کے لئے بطورِ فائدہ عرض ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ (ثقہ مدلس) کی منصور بن المعتمر عن خالد بن سعد والی روایت میں ہے کہ عقبہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ) نے بالوں کی (بنی ہوئی) جرابوں پر مسح کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ نسخہ محمد عوامہ الحنفی ج ۲ ص ۴۷۲ ح ۱۹۸۴)

۴) ابوحازم (سلمہ بن دینار) رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سہل بن سعد (رضی اللہ عنہ) نے جرابوں پر مسح کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۸۹ ح ۱۹۹۰، وسندہ حسن)

اس روایت کی سند میں زید بن حباب اور ہشام بن سعد دونوں جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث راوی ہیں۔

۵) ابوغالب البصری الاصبہانی الراسبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ''**رأیت أبا أمامة**

یمسح علی الجوربین. ''میں نے ابوامامہ (صُدَی بن عجلان الباہلی رضی اللہ عنہ) کو جرابوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۸ ح ۱۹۷۹، وسندہ حسن)

ابوغالب جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث راوی ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ''أنہ کان یمسح علی الجوربین والخفین والعمامۃ'' وہ جرابوں، موزوں اور پگڑی پر مسح کرتے تھے۔

(الاوسط لابن المنذر ۱/۱۱۷ ح ۴۸۳ وسندہ حسن، دوسرا نسخہ ۱/۴۶۳ ث ۴۸۵)

۶) فرات (بن ابی عبدالرحمٰن القزاز التمیمی البصری الکوفی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ ''رأیت سعید بن جبیر توضأ ومسح علی الجوربین والنعلین'' میں نے سعید بن جبیر (تابعی رحمہ اللہ) کو دیکھا، انھوں نے وضو کیا اور جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ نسخہ عوامہ ۲/۲۷۸ ح ۲۰۰۱ وسندہ صحیح)

اس کی سند میں ابوالعمیس سے مراد عتبہ بن عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ بن مسعود المسعودی ثقہ راوی ہیں۔ رحمہ اللہ

۷) ابن جریج نے عن کے ساتھ عطاء (بن ابی رباح رحمہ اللہ تابعی) سے روایت کی، انھوں نے فرمایا: ''المسح علی الجوربین بمنزلۃ المسح علی الخفین'' جرابوں پر مسح موزوں پر مسح کے قائم مقام ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ نسخہ عوامہ ۲/۲۷۸ ح ۲۰۰۲، دوسرا نسخہ ح ۱۹۹۱)

ابن جریج تک سند صحیح ہے اور ابن جریج کی عطاء سے روایت قوی ہوتی ہے، چاہے سماع کی تصریح ہو یا نہ ہو۔ دیکھئے التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ (ص ۱۵۲، ۱۵۷) اور الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ص ۵۶)

۸) ابراہیم بن یزید النخعی (تابعی صغیر، رحمہ اللہ) نے فرمایا: ''الجوربان والنعلان بمنزلۃ الخفین'' جُرابیں اور جُوتے (بوٹ) موزوں کے قائم مقام ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۷۵ ح ۱۹۸۷، وسندہ حسن، دوسرا نسخہ ۱/۱۸۸ ح ۱۹۷۵)

حصین بن عبدالرحمٰن (رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ ''أنہ کان یمسح علی

الجوربين'' وہ (ابراہیم نخعی) جرابوں پر مسح کیا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۸۸/۱ ح ۱۹۷۷، دوسرا نسخہ ۲/ ۲۷۶ ح ۱۹۸۹، وسندہ صحیح)

۹) سفیان (بن سعید الثوری، تبع تابعی) رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**والنعلين والجوربين بمنزلة الخفين يمسح عليها ويمسح أيضًا على الجوربين إن لم يكن عليه نعلين**'' جُوتے (بُوٹ) اور جرابیں موزوں کے قائم مقام ہیں، اُن پر مسح کیا جاتا ہے اور اگر جُوتے نہ ہوں تو بھی جرابوں پر مسح کیا جائے۔

(التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ ص ۶۲۵ ح ۱۴۶۹، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۳/ ۲۴۱ ح ۴۶۵۸)

عبدالرزاق (ثقہ مدلس) نے عن کے ساتھ سفیان ثوری سے نقل کیا کہ ''**ويمسح على جوربيه**'' اور وہ آدمی جرابوں پر مسح کرے۔ (مصنف عبدالرزاق ۱/ ۲۱۸ ح ۸۴۸)

۱۰) امام ترمذی رحمہ اللہ نے جرابوں پر مسح کے بارے میں فرمایا: ''**وهو قول غير واحد من أهل العلم وبه يقول سفيان الثوري وابن المبارك والشافعي وأحمد وإسحاق قالوا: يمسح على الجوربين وإن لم يكن نعلين إذا كانا ثخينين**'' اور یہ کئی علماء کا قول ہے۔ سفیان ثوری، ابن المبارک، شافعی، احمد اور اسحاق (ابن راہویہ) اس کے قائل ہیں، انھوں نے فرمایا: اگرچہ جوتے نہ بھی ہوں تو جرابوں پر مسح کیا جائے بشرطیکہ وہ موٹی ہوں۔ (سنن ترمذی: ۹۹ باب فی المسح علی الجوربین والنعلین)

سفیان ثوری کا قول فقرہ نمبر ۹ میں گزر چکا ہے، ابن المبارک کے قول با سند صحیح کی تلاش جاری ہے اور امام شافعی کے قول کی صحیح اسانید کتاب العلل الصغیر للترمذی (ص ۲، مع السنن ص ۱۱۵۵) میں موجود ہیں۔

امام اسحاق بن منصور الکوسج نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ اگر جوتے نہ ہوں تو جرابوں پر مسح کیا جائے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں! اور اسحاق بن راہویہ نے سختی کے ساتھ ان کی تائید کی۔ (مسائل احمد و اسحاق، روایۃ اسحاق بن منصور الکوسج ۱/ ۴۷ رقم ۲۳)

ان صریح و صحیح آثار سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام و تابعین عظام کا اس پر اجماع ہے کہ

(موٹی) جرابوں پر مسح جائز ہے۔

یاد رہے کہ موٹی سے صرف یہ مراد ہے کہ جو عرف عام میں موٹی جرابیں کہلائی جاتی ہیں، جن کے پہننے سے پاؤں نظر نہیں آتے۔ جارجٹ کے دوپٹے جیسی جرابیں (جو بعض کھلاڑی وغیرہ پہنتے ہیں) جن میں پاؤں نظر آتے ہیں، وہ پتلی جرابیں ہیں اور ان پر بالاجماع مسح جائز نہیں۔

ابن حزم الاندلسی (م ۴۵۶ھ) نے صحابہ کرام کے بارے میں لکھا ہے:

''**لا مخالف لهم من الصحابة ممن يجيزا لمسح**'' جو صحابہ (جرابوں پر) مسح کو جائز سمجھتے تھے، صحابہ میں اُن کا کوئی مخالف نہیں۔ (المحلّی ۲/۸۷ مسئلہ ۲۱۲)

ابن قدامہ الحنبلی نے لکھا ہے: اور چونکہ صحابہ نے جرابوں پر مسح کیا ہے اور ان کے زمانے میں ان کا کوئی مخالف ظاہر نہیں ہوا، لہٰذا اس پر اجماع ہے کہ جرابوں پر مسح کرنا صحیح ہے۔ (المغنی ۱/۱۸۱ مسئلہ: ۴۲۶)

ابن القطان الفاسی (م ۶۲۸ھ) نے بحوالہ کتاب النیر للقاضی ابی العباس احمد بن محمد بن صالح المنصوری (م ۳۵۰ھ تقریباً) اور بطورِ جزم لکھا ہے:

''**وأجمع الجميع أن الجوربين إذا لم يكونا كثيفين لم يجز المسح عليهما**'' اور سب کا اس پر اجماع ہے کہ اگر جرابیں موٹی نہ ہوں تو ان پر مسح جائز نہیں۔

(الاقناع فی مسائل الاجماع ج ۱ ص ۲۲۷ فقرہ: ۳۵۱)

جو آدمی جتنی بھی کوشش کر لے، کسی ایک صحابی سے صحیح یا حسن لذاتہ سند کے ساتھ صراحتاً یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ موٹی جرابوں پر مسح جائز نہیں، لہٰذا جرابوں پر مسح کے منکرین یہ سوچ لیں کہ وہ اجماعِ صحابہ کے خلاف کن راستوں اور پگڈنڈیوں پر دوڑے جا رہے ہیں؟!

اگر کوئی کہے کہ امام ابن المنذر نے لکھا ہے:

ایک گروہ نے جرابوں پر مسح کا انکار کیا ہے اور اسے ناپسند کیا ہے۔ ان میں مالک بن انس، اوزاعی، شافعی اور نعمان (ابوحنیفہ) ہیں اور عطاء (بن ابی رباح) کا یہی مذہب اور

آخری قول ہے۔ مجاہد، عمرو بن دینار اور حسن بن مسلم اسی کے قائل ہیں۔

(الاوسط لابن المنذر ۱/۴۶۵، دوسرا نسخہ ۲/۱۱۹)

ان آثار میں امام مالک، اوزاعی، ابوحنیفہ نعمان، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، عمرو بن دینار اور حسن بن مسلم سے جرابوں پر مسح کا انکار صحیح متصل سند کے ساتھ ثابت نہیں اور الاوسط کے محشی نے جو حوالے پیش کئے ہیں وہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود کے حکم میں ہیں۔

امام شافعی کے دو اقوال ہیں اور ایک قول بحوالہ ترمذی اسی مضمون (فقرہ نمبر ۱۰) میں گزر چکا ہے اور نعمان سے عدم مسح علی الجوربین والی روایت ابن فرقد الشیبانی کی طرف منسوب کتاب الاصل (۱/۹۱، دوسرا نسخہ ۱/۱۰۰) میں منقول ہے، لیکن ابن فرقد بذاتِ خود جمہور محدثین کے نزدیک مجروح ہونے کی وجہ سے روایت نقل کرنے میں ضعیف راوی ہے، نیز اسی کتاب الاصل میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ابن فرقد اور قاضی ابو یوسف دونوں کے نزدیک جرابوں پر مسح جائز ہے بشرطیکہ موٹی ہوں (اور) ''لایشفان'' ہوں یعنی ان میں جسم نظر نہ آتا ہو۔ (ج ا ص ۱۰۰)

نیز المسبوط للسرخسی (۱/۱۰۲) اور الھدایہ وغیرہما میں تبع تابعی امام ابوحنیفہ کا رجوع بھی مروی ہے جو کہ حنفیہ پر حجت قاطعہ ہے۔

ہدایہ میں لکھا ہوا ہے:

ابوحنیفہ کے نزدیک جرابوں پر مسح جائز نہیں اِلا یہ کہ وہ جوربین مجلّدین یا منعّلین ہوں اور دونوں (صاحبین: ابو یوسف و ابن فرقد) نے کہا: اگر وہ موٹی ہوں، ان میں نظر نہ آتا ہو تو مسح جائز ہے ...اور ابوحنیفہ کا ایک قول ہے کہ انھوں نے ان دونوں (ابو یوسف اور ابن فرقد) کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا (یعنی جرابوں پر مسح کے قائل ہو گئے تھے) اور اسی بات پر (حنفیہ) کا فتویٰ ہے۔ (اولین ص ۶۱، باب المسح علی الخفین)

اس سے ثابت ہوا کہ حنفیہ کا یہ مفتیٰ بہ قول ہے کہ موٹی جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے۔

ہم نے اپنے اس مضمون میں کوئی بے سند حوالہ بطورِ استدلال پیش نہیں کیا، بلکہ بعض

ان روایات سے بھی صرفِ نظر کیا ہے جو حنفیہ کے اصول پر صحیح ہیں۔ مثلاً:

ا: قتادہ (تابعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) جرابوں پر مسح کرتے تھے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ۱/۲۴۴ ح ۶۸۶)

اس روایت کی سند قتادہ تک صحیح ہے اور وہ ثقہ مدلس ہیں، نیز اس روایت کے ضعیف شواہد بھی ہیں۔

۲: سفیان ثوری (رحمہ اللہ) نے عن کے ساتھ ابو قیس عبدالرحمٰن بن ثروان الاودی عن ھزیل بن شرحبیل عن المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جرابوں پر مسح کیا۔ (المعجم الاوسط للطبرانی ۳/۳۱۰ ح ۲۶۶۶)

اس روایت کی سند سفیان ثوری (ثقہ مدلس) تک بالکل صحیح ہے اور ابو قیس عبدالرحمٰن بن ثروان صحیح بخاری کے راوی اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث ہیں، اور ان کے استاذ ہزیل بن شرحبیل ثقہ مخضرم ہیں۔

اس روایت پر جمہور محدثین نے جرح کی ہے لیکن ترمذی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے (یعنی یہ روایت مختلف فیہ ہے) اور سند میں علتِ قادحہ صرف یہ ہے کہ سفیان ثوری نے اُسے معنعن روایت کیا ہے۔

یاد رہے کہ یہ روایت حنفیہ کے اصول پر بالکل صحیح ہے۔

اور بعض حنفیہ کی طرف سے سفیان ثوری کی اس معنعن روایت کو ضعیف قرار دینا اور ترکِ رفع یدین میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب (سفیان ثوری کی معنعن) روایت کو صحیح قرار دینا دوغلی پالیسی ہے۔ یا تو دونوں کو صحیح کہیں یا دونوں کو ضعیف قرار دیں۔

۳: حسن بصری اور سعید بن المسیب رحمہما اللہ کی طرف منسوب روایت کہ جرابیں اگر موٹی ہوں تو ان پر مسح کیا جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۸ ح ۱۹۷۶)

اس میں صرف یہ علتِ قادحہ ہے کہ یونس بن عبید ثقہ مدلس ہیں اور سماع کی تصریح نہیں۔ یہ روایت بھی حنفیہ کے اصول پر صحیح ہے۔ (دیکھئے المنتخب فی علوم الحدیث لابن الترکمانی ص ۶۱،

المبسوط للسرخسی ۲۷/۱۴۳، کشف الاسرار علی اصول البز دوی ۲/۳، اور فتح القدیر لابن ہمام ۱۶۷/۶)

نیز ہم نے دلائل بھی صاف وصریح پیش کئے ہیں اور غیر صریح دلائل سے اس مضمون میں اجتناب کیا ہے۔ مثلاً:

راشد بن سعد نے عن کے ساتھ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تساخین پر مسح کا حکم دیا۔ (سنن ابی داود: ۱۴۶، مسند احمد ۲۷۷/۵)

اس روایت کو حاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح کیا۔ (المستدرک ۱۶۹/۱ ح ۶۰۲)

اور ذہبی نے فرمایا: ''إسناده قوي'' اس کی سند قوی ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۴۹۱/۴)

امام احمد نے کتاب العلل میں فرمایا کہ راشد نے ثوبان سے نہیں سنا، لیکن امام بخاری نے التاریخ الکبیر (۲۹۲/۳ ت ۹۹۴) میں فرمایا: ''سمع ثوبان'' راشد بن سعد نے ثوبان سے سنا ہے۔ راشد کا مدلس ہونا ثابت نہیں اور وہ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کے معاصر تھے لہٰذا یہ سند صحیح ہے۔

تساخین (چمڑے کے) موزوں کو کہتے ہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ''کل ما تسخن به القدم من خف وجورب ونحوهما'' ہر وہ چیز جس کے ساتھ قدم گرم رکھا جائے چاہے موزہ ہو، جراب ہو یا ان جیسی کوئی چیز ہو۔ (شرح سنن ابی داود للعینی ج ۱ ص ۳۴۵)

اگر کسی شخص کے پاس قرآن، حدیث، اجماع یا آثارِ صحابہ سے کوئی ایسی صریح دلیل موجود ہے کہ موٹی جرابوں پر مسح نہیں ہوتا تو پیش کرے، ورنہ فوراً حق تسلیم کرے اور صریح کے مقابلے میں غیر صریح بات پیش کرنے کی کبھی کوشش نہ کرے۔ وما علینا إلا البلاغ

(۱۲/ محرم ۱۴۳۴ھ بمطابق ۲۷/ نومبر ۲۰۱۲ء)

اعلان

حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے قلم سے شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مُسنَد کتاب: الاربعین (ترجمہ، تحقیق وفوائد مع فہارس مفیدہ) شائع ہوگئی ہے۔ والحمد للہ

[مکتبہ اسلامیہ۔ اردو بازار لاہور]

ازافادات: محمد ارشد کمال

صفر کا مہینہ

۱: بعض لوگ صفر کے مہینے کو بدشگونیوں والا مہینہ سمجھتے ہیں، اس میں شادی بیاہ نہیں کرتے، طرح طرح کی توہمات میں مبتلا رہتے ہیں اور کاروبار وغیرہ کی ابتدا کرنے سے بھی اجتناب کرتے ہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَ لَا صَفَرَ)) اور صفر (کی کوئی نحوست یا بیماری) نہیں۔ (صحیح بخاری: ۵۷۵۷)

نیز دیکھئے مولانا محترم محمد ارشد کمال حفظہ اللہ کی عظیم و مفید کتاب: اسلامی مہینے اور ان کا تعارف (ص ۸۰۔۸۲)

۲: بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صفر میں ''تیرہ تیزی'' ہوتی ہے اور سخت مصیبتوں، بلاؤں اور بیماریوں کا نزول ہوتا ہے۔

یہ سمجھنا سراسر غلط، جہالت اور توہم پرستی کا شاخسانہ ہے۔

۳: بعض لوگ خاص طور پر صفر کے مہینے میں مکڑی کے جالے صاف کرتے ہیں، حالانکہ اس خاص کام کی کوئی دلیل نہیں اور صفائی تو ہر مہینے اور ہر دن رات میں بہتر ہے۔

۴: بعض لوگ صفر کے آخری بدھ میں چُوری پکاتے ہیں اور قصے کہانیاں بیان کرتے ہیں، حالانکہ شریعت میں اس بات کی کوئی اصل موجود نہیں۔

۵: یاد رہے کہ ماہِ صفر کی خاص فضیلت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں۔

۶: صفر کے مہینے میں مدائن فتح ہوا، جنگِ صفین ہوئی۔

اور درج ذیل ائمہ محدثین فوت ہوئے:

امام اوزاعی، امام یحییٰ بن سعید القطان، امام علی (بن موسیٰ) الرضا، امام طبرانی، امام ابن شاہین، امام نسائی، محدث حاکم نیشاپوری، سلطان صلاح الدین ایوبی وغیرہم رحمہم اللہ

تفصیل کے لئے دیکھئے اسلامی مہینے اور ان کا تعارف (ص ۹۱۔۹۵)

مکتبۃ الحدیث

ازافادات: محمد ارشد کمال

ربیع الاول کا مہینہ

۱: اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ سوموار کے دن اور ہاتھی (یعنی مکہ پر ابرہہ کافر کے حملے) والے سال مکہ میں پیدا ہوئے لیکن تاریخِ ولادت اور مہینۂ ولادت باسند صحیح ثابت نہیں۔

اس بارے میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں اور علماء کا اس میں اختلاف ہے۔

۲: ربیع الاول یا ۱۲/ ربیع الاول کو عید میلاد النبی ﷺ کا جشن منانا، جلوس نکالنا اور جھنڈیاں وغیرہ لگانا قرآن، حدیث، اجماع، اجتہادِ مجتہد اور خیر القرون کے سلف صالحین سے ہرگز ثابت نہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے اسلامی مہینے اوران کا تعارف ص۱۱۳۔۱۴۶)

۳: جمہور علماء نے بتایا ہے کہ نبی کریم ﷺ ربیع الاول کے مہینے میں فوت ہوئے، بلکہ بعض نے اس پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں/ یعنی اجماع ہے۔

(دیکھئے تاریخ طبری اور اسلامی مہینے اوران کا تعارف ص۱۴۶۔۱۴۹)

۴: ماہِ ربیع الاول میں کسی قسم کی خاص نمازیں پڑھنا ہرگز ثابت نہیں۔

۵: کسی کی وفات یا پیدائش کا دن یا سالگرہ منانا دینِ اسلام میں ہرگز ثابت نہیں۔

۶: ربیع الاول کے چند خاص واقعات درج ذیل ہیں:

ہجرتِ مدینہ، لشکرِ اسامہ کی روانگی، سیدنا حسن ومعاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح۔

بعض وفیات کا تذکرہ درج ذیل ہے:

وفات سیدنا رسول اللہ ﷺ، وفاتِ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما، وفات ام المومنین جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہما، وفات امام مالک رحمہ اللہ۔

تفصیل کے لئے دیکھئے (محترم مولانا محمد ارشد کمال حفظہ اللہ کی عظیم ومفید کتاب) اسلامی مہینے اوران کا تعارف (ص۱۵۱۔۱۵۷، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد، لاہور)

ائمہ کرام سے اختلاف، دلائل کے ساتھ

غلام رسول سعیدی بریلوی نے لکھا ہے:

"بعض جمود پسند لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ صحابہ سب مجتہد تھے ان کا ایک دوسرے سے اختلاف جائز ہے ہم مقلد ہیں، ہمارا ائمہ اور اکابر علماء سے اختلاف جائز نہیں، میں کہتا ہوں کہ دلائل کی بناء پر ہمارے فقہاء نے امام ابوحنیفہ سے بھی اختلاف کیا ہے، مثلاً علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک شوال کے چھ روزے رکھنا مکروہ ہے خواہ متفرقاً رکھے جائیں یا متصلاً اور امام ابو یوسف کے نزدیک یہ روزے متصلاً رکھنا مکروہ ہیں لیکن عام متاخرین کے نزدیک ان میں کراہت نہیں ہے۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۸ مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ)

اور علامہ شرنبلالی نے لکھا ہے کہ شوال کے چھ روزے رکھنا مستحب ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے رمضان کے بعد متصل چھ روزے رکھے اس کو دائماً روزہ رکھنے کا اجر ملے گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۹)

(مراقی الفلاح ص ۳۸۷، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ)

اسی طرح عقیقہ کو امام ابوحنیفہ نے مباح کہا ہے لیکن ہمارے فقہاء نے حدیث کی بناء پر کہا یہ سنت ہے اور کار ثواب ہے۔ بہرحال قرآن اور حدیث سب پر مقدم ہیں اور قرآن اور حدیث کے دلائل کی وجہ سے اکابر علماء سے اختلاف کرنا جائز ہے اور میری زندگی کا یہی مشن ہے کہ قرآن اور حدیث کی بالادستی بیان کروں۔" (تبیان القرآن ج ۱ ص ۵۸۴، طبع ۲۰۰۵ء)

سعیدی صاحب کی زندگی کا مقصد تو اللہ جانتا ہے اور اہل حدیث بھی یہی کہتے ہیں کہ قرآن اور حدیث سب پر مقدم ہیں۔ قرآن اور حدیث کے دلائل کے ساتھ اکابر علماء سے ادب واحترام کے ساتھ اختلاف کرنا جائز ہے اور اسی میں خیر ہے۔ (۸/ نومبر ۲۰۱۲ء)

Monthly **AlHadith** Hazro

ہمارا عزم

✿ قرآن وحدیث اور اجماع کی برتری ✿ سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار
✿ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور تمام ائمہ کرام سے محبت ✿ صحیح وحسن روایات
سے استدلال اور ضعیف و مردود روایات سے کلی اجتناب ✿ اتباع کتاب وسنت کی طرف والہانہ دعوت
✿ علمی، تحقیقی و معلوماتی مضامین اور انتہائی شائستہ زبان ✿ مخالفین کتاب وسنت اور اہل باطل پر علم و
متانت کے ساتھ بہترین و بادلائل رد ✿ اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدنظر رکھتے ہوئے اشاعت الحدیث
✿ دینِ اسلام اور مسلک اہل الحدیث کا دفاع ✿ قرآن وحدیث کے ذریعے اتحادِ امت کی طرف دعوت

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ ''الحدیث'' حضرو کا بغور مطالعہ کر کے
اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں، ہر مخلصانہ اور مفید مشورے کا قدر و تشکر
کی نظر سے خیر مقدم کیا جائے گا۔
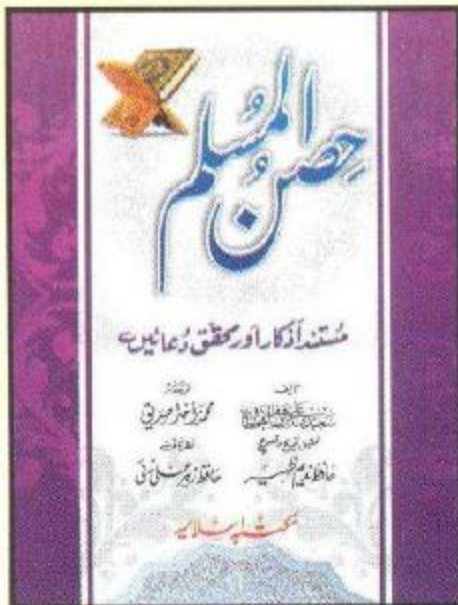
حِصنُ المُسلم

مستند اذکار اور محقق دعائیں

تالیف: سعید بن علی بن وہف القحطانی
ترجمہ: محمد اختر صدیقی
تحقیق تخریج و تصحیح: حافظ ندیم ظہیر
نظرثانی: حافظ زبیر علی زئی

مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 042, 37244973, 37232369
بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔ پاکستان فون: 041-2631204, 2034256

alhadith_hazro2006@yahoo.com
www.zubairalizai.com